دینا ہے تو دے حیاتِ جاوید
یہ زندگی، زندگی نہیں ہے

حیاتِ جاوید

انتساب

بنام

برخوردار صاحبزادہ محمد عبدالحسیب خاں سلمہ اللہ الرحمان

آسی

فہرست طبع و نشر

★

پرنٹر: یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ
پبلشر: (نواب) محمد عبدالسعید خاں آسی (مصنف) محمدی ضلع کھیری
تعداد مطبوعہ: ۷۵۰ جلد
حجم: ۱۱۲ صفحات - علاوہ ٹائیٹل پیج
سائز: $\frac{20 \times 30}{16}$ کاغذ دبیز سفید ۲۸ پونڈ
قیمت: دو روپیہ فی جلد (مجلد) غیر مجلد ۱۸؍
ٹائیٹل پیج: بلاک رنگین مع گردپوش

ملنے کے پتے

۱۔ صدیق بک ڈپو۔ امین آباد لکھنؤ
۲۔ دفتر جام جہاں نما۔ مولوی گنج۔ لکھنؤ۔
۳۔ نواب محمد عبدالسعید خاں آسی عرف چھبن میاں رئیس محمدی ضلع کھیری (یو۔پی)

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی

★

میرا سلسلۂ نسب کیا ہے، میرے بزرگ کون تھے، کیا تھے، اس کی چنداں ضرورت نہیں (پدرم سلطان بود) کے مصداق ہے، میری گمنام ہستی محتاجِ تعارف نہ رہے اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ میں بھی حادثاتِ زمانہ کا مارا ہوا ایک فرد ہوں۔

مجھے بچپن ہی سے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی مشاعروں میں بھی شرکت کرتا رہا اور استادانِ سخن وراں کی صحبت سے بھی فیض حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر بدقسمتی سے اس وقت تک کسی استاد سے شرف تلمذ نہ حاصل کر سکا اور جو کچھ بھی کلام جمع ہوا وہ بھی دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ کچھ یادداشت سے کام لے کر کچھ پرچہ جات و مسودہ تلاش کرکے اور کچھ سابقہ مشاعروں کے فائلوں اور پریس کی فائلوں سے حاصل کرکے اور کچھ جدید غزلیں کہہ کر اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی اور زمانۂ ماضی کو بہلانا چاہا۔

اسی سلسلہ میں مجھے لسان الحقیقت حاجی الحرمین جناب مولانا سید اثر صاحب موہانی کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ مولانائے موصوف کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ خلوص و محبت کی جیتی جاگتی تصویر اور دنیائے ادب کا گرانمایہ سرمایہ ہیں۔

جب بھی میں عازم سفر لکھنؤ ہوا سب سے پہلی خوشی یہ خیال کرکے ہوئی کہ مولانائے موصوف سے فیض صحبت حاصل ہوگا۔ اور لکھنؤ پہونچکر مولانا صاحب کی خدمت میں حاضری دیکر شرف نیاز حاصل کیا۔ موصوف اصرار کرکے میرا کلام سماعت فرماتے رہے اور میری ہمت افزائی فرماتے رہے۔ نیز مجھے مشاعروں کی صف میں بھی کھڑا کرنے کی کوشش رہی۔

میں نے اپنا کلام شائع کرانے کا خیال ظاہر کیا تو مولانائے موصوف نے میرے اس خیال کی پرزور تائید فرمائی۔ اور میری عرض پر میری مشکلات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے خلوص و محبت سے پوری ذمہ داری طبع و نشر کی اپنے سر لے لی۔ ساتھ ہی پیکر خلوص و اخلاق مجسم جناب پروفیسر حبیب پرویز و محمد عتیق و مخمور جہان آبادی۔ و جناب ڈاکٹر سلام صاحب سندیلوی و ڈاکٹر عبدالاحد خاں خلیل نے بھی اپنا قیمتی وقت خراب کرکے میرے کلام میں چار چاند لگاکر دنیائے ادب میں میرا سر افتخار بلند کرنے کی کوشش فرمائی ورنہ (من آنم کہ من دانم) جن کے اس خلوص و محبت کا شکریہ نہ ادا کرنا بھی میں اپنی اخلاقی کمزوری سمجھتا ہوں۔ کتاب کس حد تک جاذب توجہ ثابت ہوگی (واللہ اعلم بالصواب) اگر واقعی ایک شعر بھی پسند خاطر ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور مجھے اپنی کاوشوں کا صلا مل گیا۔

امید ہے کہ ناظرین میری غلطیوں سے چشم پوشی فرماکر مجھے شکریہ کا موقع عطا فرمائیں گے۔ (الانسان مرکبٌ من الخطاء والنسیان)

نیاز مند

محمد عبدالسمیع خاں۔ آسی



آسی محمدی

مقالات

★

شاہی خاندانوں میں شاعری کا شوق ایک تفریحی مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ اور اس شغل میں شہزادے وشاہزادیوں سے لے کر ملک معظم اور بیگمات تک برابر کے شریک دار ہوتے تھے۔ جذبات کی امنگیں اور اُن کا نکھار حسن سن وسال کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ بلند وپست خیالات کی قید نہ تھی۔ تکبندی کو بھی ایک خاص درجہ حاصل تھا۔ الغرض یہ شوق "عزیز وحق تعالٰے کبریا ہی" سے شروع ہو کر مختلف مقامات کی سیر کرتا ہوا اُس مقام پر منزل نشین ہو جاتا تھا جہاں پر "کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور" کی حجت ختم ہوتی ہے۔

ایسی شاہانہ اور استبدادی شاعری کا کوئی معیار ہو یا نہ ہو اس کی نہ ضرورت تھی نہ محل۔ البتہ اتنا ضرور رہا تھا سمجھا جاتا تھا کہ ہر ایسا کلام "کلام الملوک ملوک الکلام" کا اعزاز حاصل کر لیتا تھا۔ جب شاہیاں اور بادشاہیاں مفقود ہو گئیں تو یہ ورثہ اُن کے بعد والوں کو نصیب ہوا۔ وزیروں اور نوابوں میں بھی بیشتر شعراء اسی قسم کے دیکھے اور سُنے گئے۔ جب وہ بھی نہ رہے تو یہ سعادت اُن کے بعد کے تعلقداروں۔ جاگیر داروں۔ زمینداروں اور اُمراء ورؤسا کو تفویض ہوئی۔ آج کل جس حال میں یہ طبقہ ہے اُسی نسبت سے اُس کی شاعری کا شوق بھی ہے۔ مگر ہے ضرور۔ اور یقینی۔ ایسے شوقین مزاج اور تفریحی شعراء میں بھی قدرت نے کچھ اپنی غیر معمولی فیاضیوں سے بعض کو فن اور علم سے بھی آراستہ کر دکھایا ہے۔ اور وہ اپنی مشق اور مداومت سے

بلند مرتبہ پر نہ سہی تاہم کسی مرتبہ اور مقام پر ضرور ممتاز نظر آتے ہیں۔ آج کے دور میں ایسے شعرا کا شمار بھی نہ صرف غنیمت ہے بلکہ نعمت کے دستیاب ہو جانے سے کم نہیں۔

نواب محمدؐ عبدالسعید خاں آسی عرف نواب چھبن صاحب رئیس قصبہ محمدی ضلع کھیری (اودھ) کا شمار انھیں مغتنمات میں سے ہے۔ ایسے حساس۔ ذہین۔ نغز گو اور ندرت آفریں اب کہاں نظر آتے ہیں۔ جو دوسروں کے شانہ پر شکار نہ کھیلیں بلکہ خود شیر افگنی کریں۔ نہ کسی کے اُستاد بنے نہ شاگرد ہوئے۔ قدرت نے جو فطری جذبہ اور موزونی عطا فرمائی اُسی پر قانع رہے۔ حالات نے نشیب و فراز کی خود رہنمائی کی۔ واقعات و حوادث نے استحکام عطا کیا۔ اور انقلاب زمانہ کی کروٹوں نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ نتیجہ میں وہ ایک مستقل اور پُر گو شاعر بن گئے۔ اُن کے گلزار سخن میں سبھی رنگ کے بیل بوٹے نظر آتے ہیں۔ غزل تو اُن کا خاص رُومانی موضوع ہے اُس میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ پڑھنے والوں کے دلوں میں بھی وجدانی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ مگر دوسری اصناف میں بھی وہ اپنے معاصرین سے کم نہیں۔ بلکہ خوب ہیں۔

ملاحظہ ہو:

وہ اشکبار دیدۂ تر دیکھتے رہے — موتی پرو رہی تھی نظر دیکھتے رہے
زُلفیں کبھی ہٹیں، کبھی رُخ پر بکھر گئیں — ہم زندگی کی شام و سحر دیکھتے رہے

مذکورہ اشعار تغزل کے اچھے نمونے ہیں جن سے رومانیت اور جذبات زندہ ہو جاتے ہیں مگر اسی غزل میں کچھ اشعار دوسرے موضوعات کے بھی

نمونے کہے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ؎

ہم بجلیوں کا ذوقِ نظر دیکھتے رہے
ہر شاخِ آشیاں کی مکمل بہار تھی

ہم حاصلِ بہارِ نظر دیکھتے رہے
دامن اگر سیا تو گریباں نکل گیا

زندگی اور پھر شاعرانہ زندگی جس کے ہر ہر لمحہ میں انقلاب آتے رہتے ہیں اس سے متاثر ہو کر بے ساختہ زبانِ شاعر سے وہ سب کچھ نکل جاتا ہے جس کے ضبط کا یارا نہ ہو اور کوئی چارہ کار نہ رہ گیا ہو۔ جوشِ جنوں کی آخری کیفیت اس خوبی سے اور ایسے مناسب و دلکش انداز و الفاظ میں دکھائی گئی ہے کہ بے ساختہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور سیری نہیں ہوتی کیا خوب کہا ہے ؎

ہم حاصلِ بہارِ نظر دیکھتے رہے
دامن اگر سیا تو گریباں نکل گیا

اسی غزل میں ایک اور شعر ہے جو کثرت اور وحدت کی بحث کچھ اس طرح ختم کرتا ہے جس پر تصوف اور معرفت کو ناز ہو۔ ملاحظہ ہو ؎

ہم سب کا اختلافِ نظر دیکھتے رہے
جلوے تھے بے حساب نگاہیں تھیں بے شمار

صوفیائے کرام اسی مقام پر سر دھنتے ہیں۔ آئینہ حیرت بن جاتے ہیں۔ نظر خیرہ ہو جاتی ہے پھر بھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ خود کہاں ہیں اور کیا دیکھ رہے ہیں۔ کوئی مجبوری کا اظہار اس طرح کرتا ہے ؎

حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس شمار میں
اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
(مرزا غالب)

لکمر آسی صاحب اپنے کو بھلا کر دوسروں کے اختلافِ نظر سے فائدہ اٹھا کر ایسے اہم مسئلہ کی مزید تاویل سے بآسانی سبکدوش ہو جاتے ہیں گویا

خود اُنھوں نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ دوسروں کے اختلافِ نظر ہی نے اُنکو سب کچھ سمجھا دیا اور جن میں وہ خود بھی شامل تھے مگر سب سے علیحدہ رہ کر۔ کیا کہنا اس شاعرانہ نزاکت اور لطافت کا۔ الغرض جناب آسی کی شاعرانہ مساعی ہر محل پر مشکور و کامیاب نظر آتی ہیں۔ اور نتیجہ میں کہنا پڑتا ہے کہ وہ کہنہ مشق اور پر گو شاعر ہیں اگرچہ زمانہ کی نامساعدت سے وہ اتنے کامیاب نہ ہو سکے جتنی کامیابی کی اُن میں صلاحیت تھی۔

مختصر سا نمونۂ کلام پیش کرنے کے بعد مجھے شاعر کی دوسری صفات پر بھی روشنی ڈالنا ہے کیونکہ دوسرے لکھنے والے حضرات نمونۂ کلام تو پیش کر سکتے ہیں مگر شاعر کی دوسری خصوصیات پر وہ نہ کچھ لکھیں گے نہ اس کی ضرورت ہی سمجھیں گے اسلئے یہ موضوع تشنہ رہ جائے گا۔ آسی صاحب ایک طرف اگر اچھے شاعر ہیں تو دوسرے موضوعاتِ زندگی میں اچھے محاسن کے حامل بھی ہیں۔ اُن کی عمر ۷۰ سے متجاوز ہو چکی ہے۔ زمانہ کی انقلابی پیہم کروٹوں نے ان کو اور بھی سن رسیدہ بنا دیا ہے بقول مرزا غالب ؎

مارا زمانہ نے اسداللہ خاں تمھیں　　　وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی ؟

بلکہ زیادہ مناسب اگر کہا جائے تو یہ ہوگا کہ ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب　　　وہ عناصر میں اعتدال کہاں

روزمرہ کے علیل بھی ہو گئے۔ ہجوم افکار نے اپنا مستقل شکار بنا لیا۔ احباب و اعزا کی چیرہ دستیوں نے اور بھی کہیں کا نہ رکھا۔ وغیرہ۔ وہ علوم رسمیہ سے بخوبی آگاہ ہیں۔ تعلیم و تعلم کے بعد زمانہ اور زمانہ کا ماحول

بھی حسب دلخواہ نصیب ہوا۔ عنفوانِ شباب سے آخر شباب تک کی رنگ رلیاں نہ بھولنے والی یادگاریں آج بھی اپنی پرچھائیاں موقع موقع سے دکھا جاتی ہیں۔ جن کے تذکرے یارانِ صحبت کی محفل میں اکثر تازہ ہوتے رہتے ہیں۔ نوابی کے بعد زمینداری بھی ختم ہو گئی۔ اور زمانہ کے موجودہ دَور میں وہ بے بال و پری کے اسیر ہو کر رہ گئے تاہم اُن کا فطری اخلاق۔ تواضع۔ انکسار اور رواداری اپنی جگہ پر اب بھی مثالی کہی جاسکتی ہے۔ خدا رسی کم، خدا ترسی زیادہ ہے۔ اب وہ زمانۂ ماضیہ کی اچھی اور قابلِ ناز عادات اور صلاحیتوں کے نمونہ بن کر رہ گئے ہیں۔ جن سے اُن کے قریبی ملنے والوں کو بہت کچھ زندگی کے سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔

مرزا نوشہ نے اپنے کو دُنیا کا انقلابی نمونہ پیش کر کے اپنے ہم نشینوں کو خطاب کیا تھا ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو میری سنو جو گوش حقیقت نیوش ہے

آج آسی صاحب مرزا کے تیغ مقلم نظر آرہے ہیں۔ میر تقی میر کے نشتر اب زنگ آلود ہو چکے ہیں اُن میں نہ وہ اب کاٹ رہی نہ آب و تاب۔ زمانہ بدل گیا۔ ماحول کوسوں آگے نکل آیا۔ ضرورت اس کی ہے کہ آج کے مزاج کے مطابق نشتر زنی کی جائے۔ اور دلوں میں گدگدی کے ساتھ میٹھا میٹھا درد بھی پیدا کیا جائے۔ آسی صاحب فرماتے ہیں ؎

ہماری خوبیٔ قسمت سے قانونِ جہاں بدلا زمیں سے کہنے ڈالے دیکھ، رنگِ آسماں بدلا

مرے سے سُن رہے تھے داستانِ دردِ محبت کی ہمارا نام آتے ہی مذاقِ داستاں بدلا

پہلے شعر کا پہلا مصرعہ میر کی حرماں نصیبی سے ٹکر کھاتا ہے اور اپنی جگہ پر ختم بھی ہوجاتا ہے جس کے بعد نہ مصرعۂ ثانی کی ضرورت رہ جاتی ہے نہ مزید توجیہہ کی حاجت مگر جناب آسی کی ندرت آفریں طبیعت اور مضمون کی تخلیق نگار فکر و کاوش کب چین سے بیٹھنے دیتی ہے انھوں نے دوسرے مصرعہ کو اس طرح شامل کر دیا ہے سے پہلا مصرعہ ناتمام معلوم ہونے لگا۔ اور جبتک دوسرا مصرعہ شامل نہ کیجئے لطف سخن اپنی انتہا کو نہیں پہونچ سکتا۔ میں نے ماقبل میں میر کے نشتروں کو زنگ آلود اسی خیال کے ماتحت لکھا ہے کہ ان میں زمانہ کے لحاظ سے بہت کچھ افسردگی پیدا ہوگئی ہے مگر تعریف "نشتر زن" کی ہے جو ایسے فرسودہ اور دور از کار آلات کو از سر نو کام میں اس خوبی سے لاسکے کہ زنگ اور افسردگی کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے۔ اب مطلب یہ ہوتا ہے:۔ کہ اے زمین کے رہنے والے ہوشیار! دیکھ کہ آسمان کا رنگ کیا سے کیا ہوگیا۔ کدھر کی ہوا چل رہی ہے اور تو کدھر جا رہا ہے۔ پھر یہ سب کچھ جب اپنی ہی خوبیٔ قسمت کا کرشمہ ہو تو کیا کہنا۔ یہاں شومیٔ قسمت کا مفہوم خوبیٔ قسمت سے اسطرح ادا ہوا ہے کہ طنز بھی جانے نہ پایا اور کام وہی بن گیا جو شاعر کا منشائے دلی تھا۔ جدت آفرینی اور ندرت خیال یہاں پر خود دست بستہ نظر آرہی ہے۔ اسیطرح دوسرے شعر میں:۔

سننے والا مزے سے "داستان دردِ محبت" سن رہا تھا اور لطف اندوز ہو ہو کر دادِ محبت دے رہا تھا یا حاصل کر رہا تھا کہ اتنے میں کہنے والے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اُس نے داستان میں ہمارا نام ظاہر کر دیا۔ نام کا آنا تھا کہ رنگِ محفل ہی کچھ کا کچھ ہوگیا اور مذاقِ داستان بھی بدل گیا۔

ایسے خواب کی تعبیر جناب آسی کے چند منتخب اشعار سے ہو سکتی ہے جو دورِ حاضر کی مرقع نگاری کر سکیں اور جو بجائے خود بیک وقت نشتر زنی کے ساتھ ساتھ مرہم کا بھی کام دے سکیں۔ ایسے نشتر آسی صاحب کے کلام سے انتخاب کر کے ناظرین کرام کی ضیافتِ طبع کے لئے اجود اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ شاید پسندِ خاطرِ ناظر ہو سکیں۔

ڈھوہڑا

دیوانہ بے نیاز ہے ہر رسم و راہ سے — دنیا بدل گئی ہے تری اک نگاہ سے
وہ روٹھ گئے ہیں حسن کی توہین ہے وہی — ٹھکرا رہا ہے حسنِ نظر جلوہ گاہ سے

دل کا آئینہ دکھایا تو بُرا مان گئے — اپنا ثانی نظر آیا تو بُرا مان گئے
اُن کے ہر اشک کی توہین ہوئی جاتی تھی — میں نے دامن جو بڑھایا تو بُرا مان گئے
یہ نہ سمجھے تھے کہ ہے غم بھی اُنھیں کا آسی — غم کو سینے سے لگایا تو بُرا مان گئے

نظر اُٹھے گی تو انجامِ حشر کیا ہوگا — نظر کے ساتھ قیامت [illegible] ہوئے

کل جو اپنا تھا وہی آج ہوا دل اُن کا — اب تو اپنے کی بھی پہچان بڑی مشکل ہے

ہر ارادہ ہے مرا گردشِ تقدیر کے ساتھ — اب کوئی بات ہو آسان بڑی مشکل ہے

ہنس رہا ہوں مگر آنکھ تر ہے — کیا خوشی بھی غم سے بدتر ہے

آج دنیا بدلتی ہے دل کی — جانے والے تجھے بھی خبر ہے
اُٹھ گیا اعتبارِ محبت — اَب کسے اعتبارِ نظر ہے

دل کی آواز تھی ساقی کہ ہوا جامِ شکست — ایک جھنکار سی کانوں میں مرے آئی ہے
کچھ تو آتی ہے یہ ہے مخمور نگاہی کا اثر — اور کچھ جنبشِ داماں سے بھی نیند آئی ہے

وہاں اشکوں میں شامل خونِ ارماں ہوتا جاتا ہے — یہاں دامن پہ تعمیرِ گلستاں ہوتی جاتی ہے

نثار ہوش میرے صدقے ساقی کی نگاہوں پہ — میخانے کے میخانے، پیمانے کے پیمانے

جبینِ عقیدت جھکی جا رہی ہے — یہیں پر کہیں اُن کا نقشِ قدم ہے

اتنا نہ چھیڑیے کہ مچل جائیں اشکِ غم — کُل زندگی کا رازِ نہاں چشمِ تر میں ہے

اخگر موہانی

لکھنؤ۔ یکم جولائی ۱۹۶۳ء

(۲)

عبدالسعید خاں آسی محمدی ضلع کھیری کے ایک رئیس ہیں۔ خدا نے ان کو شاعری کا ذوقِ سلیم بھی عطا فرمایا ہے۔ وہ ایک کہنہ مشق اور خوش گو شاعر ہیں۔ ان کے کلام کا مجموعہ "حیاتِ جاوید" کے عنوان سے شائع ہونے جا رہا ہے۔ اس کا مسودہ میں نے لسان الحقیقت حضرت مولنا سید افقر موہانی وارثی کی وساطت سے دیکھا۔ مسودہ نہیں دیکھا بلکہ

دیدیم زور بازوئے نا آزمودہ را

اِس سے قبل مجھے آسی صاحب کے کلام کو دیکھنے کا باقاعدہ موقع نہیں ملا تھا۔ آج ان کا کلام میرے زیرِ مطالعہ ہے۔ اور میں اِس سے محظوظ ہو رہا ہوں۔

آسی صاحب ایک غزل گو شاعر ہیں۔ ولی سے لیکر جگر تک غزل کا جو لب و لہجہ رہا ہے اس کی جھلک آسی صاحب کے کلام میں موجود ہے۔ غزل کا خاص تعلق واقعیت سے ہے۔ غزل گو شاعر اپنے دل کے آئینہ خانے میں مطالعہ کرتا ہے اور اس میں اس کو جو پرچھائیاں نظر آتی ہیں، اونھیں کی تصویریں وہ کاغذ پر اتارتا ہے۔ اس کو خارجیت سے بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ مگر اس کے یہاں خارجیت کبھی کبھی داخلیت کے رنگ میں ڈوب کر ابھرتی ہے۔ یہی غزل کا فن ہے اور اس فن کے ترجمان آسی صاحب ہیں۔ آسی صاحب کے کلام میں ان کے دل کی تصویریں نظر آتی ہیں۔ عشق کے سفر میں جن منزلوں سے وہ گزرے ہیں، انھیں منزلوں کے نشانات ان کی شاعری میں نمایاں ہیں ؎

اب انتظار ہے پہلے تھا ہم کنارِ بہار
جنوں ہے دامنِ صحرا کو گر بنائے ہوئے

عشق کی دُنیا انھیں تغیرات کی دھوپ چھاؤں سے تعمیر ہوتی ہے۔ عشق میں لیل و نہار بدلتے رہتے ہیں۔ آسی نے ان تغیرات کا مطالعہ کیا ہے اور ان کی آہٹ کو اپنے دل میں محسوس کیا ہے۔ جب آسی کو "جنوں سے توسل تھا" تو ان کی "زنجیر پائی" کے غل سے فضائیں گونجی ہوئی تھیں اور اب ؎

فصلِ گُل جیب نہ داماں نہ گریباں آسی
اور باقی ابھی ارمان بڑی مشکل ہے

اس زنجیر پائی کے دور میں آسی نے عشق کے تجربات کا اور محبوب کی اداؤں کا جائزہ لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ "بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست" لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے جس کا اظہار آسی نے اپنے ایک شعر میں کیا ہے ؎

بات وہ ہے نگاہوں میں ان کی
جس سے دُنیا بھی بے خبر ہے

بہرحال آسی صاحب کی شاعری میں واردات قلبیہ کا عکس ملتا ہے۔ ان کی شاعری کا تعلق خارجیت سے بہت کم ہے۔ ان کی شاعری کا خاص موضوع غمِ جاناں ہے۔ وہ غمِ دوراں سے متاثر نہیں ہوتے ہیں۔ اگر زمانہ انقلاب لاتا ہے تو اس کی انھیں خبر نہیں بلکہ ان کو اس کی خبر ہے ؎

کون آیا ہے بالیں پہ میری　　　زندگی کچھ تجھے بھی خبر ہے

اگر آسی کی شاعری میں غمِ دوراں نہیں ہے تو یہ کوئی عیب نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کی شاعری کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہمارے سماج کی عکاسی کرے مگر یہ شاعری بھی زیادہ دقیع نہیں ہے اور آج اس قسم کی جو شاعری کی جا رہی ہے۔ اس کا بڑا حصہ اسقاطی ہے۔ دراصل داخلیت اور خارجیت کا امتزاج آسان نہیں۔ اس قسم کا امتزاج صرف صاحبِ فن کر سکتا ہے اور آج کل فن سے لوگ بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔

بہرحال آسی صاحب کی شاعری قابلِ قدر ہے۔ ان کی شاعری کا دائرہ محدود سہی مگر اس محدود دائرہ میں انھوں نے حسین لکیریں کھینچی ہیں۔ اور صفحۂ قرطاس پر "نقش ہائے رنگا رنگ" کے جلوے پیش کئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کا مجموعۂ کلام "حیاتِ جاوید" عوام میں مقبول ہوگا۔

سلام سندیلوی
لکچرر شعبہ اردو۔ گورکھپور یونیورسٹی
۴ر جون ۱۹۶۳ء

کلامِ آسی میری نظر میں

(۲۸)

ایسے شاعر فی زمانہ شاذ ہی نظر آتے ہیں جو گوشۂ عافیت میں رہ کر اپنے شاعرانہ اثرات سے دلوں میں ہیجان پیدا کر دیں۔ اُن کی شاعری میں ایک غیر معمولی کشش، ایک غیر ارادی جاذبیت اور ایک خاص قسم کی اداکاری ہوتی ہے۔ جس سے وہ خود تو بے نیاز ہوتے ہیں مگر پڑھنے اور سُننے والے بعض اوقات تڑپ جاتے ہیں۔ دُنیا ایسے شاعروں سے متعارف نہ بھی ہو مگر اُن کے کلام سے غیر آشنا نہیں رہ سکتی۔ کسی نہ کسی طرف سے آواز آ ہی جاتی ہے اور ایک نشتر سا سُننے والے کے دل میں چُبھ جاتا ہے جو اپنا اثر تا دیر قائم رکھتا ہے۔ میرے خیال میں ایسا ہی کلام صحیح معنوں میں اُن جذبات اور کیفیات کا ترجمان کہا جا سکتا ہے جو شاعر کے دل میں کسی خاص اثر سے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ایسا ہی کلام سُننے اور پڑھنے والے کے دل و دماغ پر اپنا دیرپا اثر قائم رکھ سکتا ہے۔ ایسا کلام بہت کم ہوتا ہے مگر جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ بڑے بڑے دفاتر اور حجم پر مشتمل ہو سکنے کی اہمیت بھی رکھتا ہے۔ ایک ادبی کلب میں میرے ایک دوست نے مزے میں آ کر یہ شعر گنگنایا ؎

یہی تو ہے نبض کائناتِ محبت

مداوائے دردِ جگر ہو نہ جائے

میں چونک سا پڑا۔ اُنھوں نے پھر دُہرایا۔ مجھے اور زیادہ لطف آیا۔ میں نے پھر فرمائش کی اُنھوں نے اگلی مرتبہ اور خاص انداز سے زور دے کر پڑھا۔ اب تو مجھے بہت زیادہ شوق دوسرے اشعار سُننے کا ہوا میں نے عرض کیا بھائی کوئی اور شعر بھی اِس غزل کا آپ کو یاد ہے اُنھوں نے فرمایا اب صرف مقطع یاد ہے اور وہ یہ ہے ؎

ہوا دے رہے ہیں وہ دامن سے آسیؔ
کہیں زندگی کو خبر ہو نہ جائے

میں نے کہا سبحان اللہ۔ یہ کون آسیؔ صاحب ہیں۔ فرمایا یہ تو میں بھی نہیں جانتا مگر مقطع آسیؔ تخلص سے سُنا تھا جو یاد رہا۔ میں نے کہا کہاں سُنا تھا فرمایا مولانا اقترؔ کے وارثی مشاعرہ میں۔ میں نے دو چار روز بعد خاص اِسی غرض سے مولانائے موصوف سے ملاقات کی۔ اور دریافت کیا کہ کوئی آسیؔ صاحب آپ کے ملنے والے ہیں۔ انھوں نے فرمایا ایک زندہ، ۲ عدد مُردہ۔

میں نے عرض کیا مُردوں سے ابھی واسطہ نہیں جب مروں گا تو اُن سے بھی مِل لوں گا۔ مجھے زندہ آسیؔ صاحب سے ملنے اور اُن کے کلام کو سُننے کا شوق ضرور ہے ممکن ہو تو اُن کا کچھ کلام مجھے عطا فرمائیے تاکہ لطف اندوز ہو سکوں۔ اور اگر ملاقات بھی ہو سکے تو کیا کہنا۔ جواب ملا۔ یہاں نہ کلیم کا پتہ ہے نہ کلام کا۔ کلیم کے لئے محمدی۔ ضلع کھیری جائیے اور کلام کے لئے صدیق بکڈپو تشریف لے جائیے۔

وہاں اُن کا مجموعۂ کلام طبع ہونے کو گیا ہوا ہے۔ میں نے بعد شکریہ اجازت واپسی کی چاہی۔ اُس کے بعد یہ خلش ضرور میرے دل میں رہی کہ کسی طرح آسیؔ صاحب کا کلام زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے ورنہ کم از کم اُس غزل کو تو حاصل ہی کر لیا جائے جس کے دو شعر میرے دوست نے کلب میں سُنائے تھے۔ مگر یہ تمنّا کسی طرح پوری نہ ہوسکی۔ صدیق بکڈپو میں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ خبر ضرور ہے کہ آسیؔ صاحب کا دیوان لکھا جارہا ہے اور عنقریب چھپنے کو آنے والا ہے۔ مگر دیکھیے کب تک آئے۔ اس کے بعد مولانا افقرؔ صاحب سے پھر ملاقات ہوئی اُنھوں نے فرمایا ایک تازہ غزل آسیؔ صاحب کی آئی ہوئی ہے جو دیوان میں شامل ہونے کے لئے بھیجی گئی ہے میں نے فوراً ہی اس کی نقل حاصل کر لی۔

زبان اور محاوروں کے چونچلوں کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو مغزِ سخن اور اُس کا ادائے بیاں دونوں پر اثر انداز ی کے لئے بہت کافی ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے آسیؔ صاحب کے یہاں زبان اور محاوروں کی اپنے اپنے محل پر کمی نہیں تاہم اتنی بھرمار بھی نہیں ہے کہ اکثر شعرائے لکھنؤ کی طرح اُن کے کلام کا حاصل ہی محاورے اور زبان رہ جائے۔ اور مغزِ سخن یک قلم غائب ہو جائے۔ ایسا نہیں ہے آسیؔ صاحب کے کلام کی خصوصیت جو اُن کی صرف ایک غزل سے مجھے معلوم ہو سکی کیونکہ اس سے زیادہ مجھے اُن کا کلام

ہی نصیب نہ ہو سکا یہ ہے کہ وہ مفہوم اور تخیل کو کسی حال میں اختتام تک پہونچائے بغیر نہیں مانتے اور خارجی اور اضافی تلاطم یعنی زبان و محاورے۔ صنائع و بدائع وغیرہ میں اُن کے خیالات اصل مرکز سے کبھی جنبش نہیں کرتے جس کے نتیجہ میں اُن کا شعر ایک مکمل کیفیت کا حامل ہو جاتا ہے جو سننے والے کے دل پر اپنا اثر ڈالے بغیر نہیں رہتا۔

اُن کے کلام میں فصاحت اور روانی کی کمی نہیں۔ سلاست کا موجیں مارتا ہوا ایک دریا ہے جو بغیر کسی رکاوٹ کے برابر اُمنڈتا چلا آرہا ہے۔ غزل میں بھی وہ پست اور سطحی معاملہ بندیوں سے مُعترز نظر آتے ہیں جو ہر شاعر کے مذاق کی بات نہیں ہے۔ ذیل میں حاصل شدہ غزل کے بعض اشعار اپنے لکھے ہوئے کی تصدیق میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہ مجھے اُن کے کلام سے واقفیت ہوسکی نہ خود اُن سے حصولِ نیاز کا موقع نصیب ہوسکا یہ چند سطور اُن کے طبع ہونے والے دیوان میں شامل کئے جانے کی خاطر پریس میں حسبِ تحریک اُنھیں مکرم کے جنھوں نے کلب میں مجھے آسیؔ صاحب کے پہلے دو شعر سنائے تھے! بھیج رہا ہوں جو میری طرف سے نذرانۂ عقیدت کا کام دیں گی۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

موصولہ غزل کے چند اشعار

ایک عالم فریبِ مسلسل
زندگی اک فریب نظر ہے

غم کی تاریکیوں سے نہ گھبرا
ظلمتِ شب نویدِ سحر ہے

اب نہ میری نگاہوں میں دم ہے   اب نہ جلووں کی تابِ نظر ہے
آپ بربادیوں کو نہ پوچھیں   ساتھ اِن کا تو اَب عمر بھر ہے
وہ تصادم نگاہوں کا آسی
یہ فسانہ بہت مختصر ہے

آخر میں مجھے جناب آسی کے کلام سے متاثر ہو کر بے ساختہ کہنا ہی پڑتا ہے ؎

حال کہتا ہے نہ فکرِ شاعرِ ماضی کو دیکھ   عہدِ حاضر کے سخندانوں کی جولانی کو دیکھ
جسمیں ہو ندرت سخن کی جسمیں ہو رنگِ قبول   دیکھنا ہے تو کلامِ حضرتِ آسی کو دیکھ

(پروفیسر) حبیب پرویز وارثی
کانیکبج ڈگری کالج لکھنؤ

۱۵ر جولائی ۱۹۶۳ء

(۴)

نواب عبدالسعید خاں آسّی میرے دوست اور پرانے کرم فرما ہیں وہ اس تہذیب کے حامل اور امانت دار ہیں جس کی ترکیب میں خلوص، بردباری اور وضعداری کے اجزا شامل تھے اور جو فی زمانہ نایاب تو نہیں مگر کمیاب ضرور ہیں اور جس میں ادب نوازی اور سخن فہمی کے بغیر انسان کی تربیت میں ایک کمی محسوس کی جاتی تھی۔

مجھے اُردو کی ادبی دنیا سے ان کا تعارف کرانے میں نہایت مسرّت ہے۔ میری ہستی خود تعارف کی محتاج ہے۔ پھر بھی ان کا تعارف اربابِ ذوق سے کرانے میں مجھے ایک خاص خوشی ہے۔

وہ ایک خوش فکر اور خوش گو شاعر ہیں۔ ان کا بہت سا کلام ضائع ہو گیا مگر جو بھی دست بُردِ زمانہ سے محفوظ رہا ہے وہ اُردو ادب کا لطیف سرمایہ ہے۔

غزل اُن کی خاص صنف ہے اور حُسن و عشق کے معاملات کی پردہ کشائی ان کا خاص موضوع ہے۔ ان کے اس مجموعۂ کلام میں آپ کو دو خوبیاں خاص طور سے ملیں گی۔ ایک اسلوب بیان کی ندرت اور دوسری لطیف اشارات کی برکت۔ انھوں نے مکمل تصویریں کم کھینچی ہیں اور غزل میں مکمل تصویر کا کھینچنا پسندیدہ بھی نہیں سمجھا

جاتا۔ ایک ہلکا سا اشارہ کافی سمجھا جاتا ہے اور سامع کا ذہن اور تخیل خود اس تصویر کو مکمل کرنے کی کوشش کر کے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ذیل میں ان کے کچھ اشعار پیش کر رہا ہوں وہ میری بہ نسبت شاعر کا تعارف آپ سے بہتر کرا سکیں گے۔

لے بہارِ گلستاں ہوائے جنوں
تارِ داماں ابھی بیش و کم ہے

★

دامن ہے پرزے پرزے گریباں ہے تار تار
آنکھوں کے سامنے ہیں نتیجے بہار کے

★

نہ جیب ہے نہ گریباں نہ دامن آستی
ابھی بہار میں کلیوں کو مسکرانا ہے

★

تنظیم گلستاں سے تخریب ہی بہتر تھی
صدمے ہیں عنادل کو تنظیم گلستاں سے

★

کوئی ان سے کہہ دے نہ وہ مسکرائیں
کہ زخموں کو ٹانکے دیئے جا رہے ہیں

★

وہاں اشکوں میں شامل خونِ ارماں ہوتا جاتا ہے
یہاں دامن پہ تعمیرِ گلستاں ہوتی جاتی ہے

★

سو ہوش مرے صدقے ساقی کی نگاہوں پر
میخانے کے میخانے پیمانے کے پیمانے

★

ہوا دے رہے ہیں وہ دامن سے آستی
کہیں زندگی کو خبر ہو نہ جائے

★

پہلے خود ہوتا ہے محجوبِ نیازِ آشیاں ‏ پھر نگاہِ برق پر بھی مسکرا سکتا ہوں

★

جب نظر سے نظر ملائی ہے ‏ ایک نازک سی چوٹ کھائی ہے

★

ترے کرم کے تصدق تری عطا کے نثار ‏ ہمیں بھی وسعتِ دامن کو آزمانا ہے
بلا سے خاک ہوا جل کے خرمنِ ہستی ‏ یہاں تو برقِ تبسم کو آزمانا تھا

★

بیخودی میں کہہ نہ پائے داستانِ دردِ دل ‏ ہم وہیں پھر ابتدائے داستاں تک آ گئے

★

مری زندگی ہے فریبِ مسلسل ‏ فریبِ نظر ہو کے کیا کیجیے گا

★

ازل سے غمِ دو جہاں لے کے آیا ‏ طبیعت مسرت سے مانوس کم ہے
جبینِ عقیدت جھکی جا رہی ہے ‏ یہیں پر کہیں اُن کا نقشِ قدم ہے

★

مزے سے سُن رہے تھے داستاں دردِ محبت کی ‏ ہمارا نام آتے ہی مذاقِ داستاں بدلا

★

اتنا نہ چھیڑیے کہ مچل جائیں اشکِ غم ‏ سب زندگی کا راز ابھی چشمِ تر میں ہے

★

بچھے ہیں محبت کی راہوں میں کانٹے ‏ مرے ہم سفر ہو کے کیا کیجیے گا

★

قیدِ قفس میں خونِ جگر سے خزاں نصیب — دامن پہ کھینچ لیتے ہیں نقشے بہار کے

★

سب ہیں دلِ انور سے روشن دلِ آسی تاریک — یہ تری بارشِ انوار کی رسوائی ہے

★

زندگی کا سہارا مدینے میں ہے — کعبۂ دل ہمارا مدینے میں ہے
جس کی ضو سے ستارے ضیا پاش ہیں — عرشِ اعظم کا تارا مدینے میں ہے
میں غمِ زندگی لے کے جاؤں کہاں
میرے غم کا سہارا مدینے میں ہے

ناچیز
مخمور جہان آبادی
ایڈوکیٹ لکھیم پور کھیری

کلامِ آسی کی بعض شاعرانہ خصوصیات

(۵)

محمد عبدالسعید خانصاحب عرف چھبن میاں آسی قصبہ محمدی ضلع کھیری کے رہنے والے ہیں۔ لیکن ایک عرصہ سے لکھنؤ میں آمدورفت رکھنے کے علاوہ رہائش کی آسائشیں بھی رکھتے ہیں اور لکھنؤ کے مذاقِ سخن اور زبان و بیان نیز رنگ صحبت اور طرزِ حیات سے پوری طرح واقف ہیں۔ عمر تقریباً پچاس سال ہو گی لیکن بفضلہ جوان ہمت اور جوان کردار ہیں۔ شعر و شاعری سے انھیں فطری لگاؤ ہے۔ اور گذشتہ تیس سال سے مشقِ سخن میں مصروف ہیں۔ وہ نوعمری ہی سے شعر کہتے رہے لیکن کبھی خودنمائی اور مشاعرہ پیمائی کے قائل نہیں ہوئے۔ اسی وجہ سے ان کی شاعری اس سے قبل منظرِ عام پر نہیں آسکی اور محض مخصوص حلقۂ احباب تک محدود رہی۔

حضرت آسی کی شاعری اور نوجوانی دونوں تقریباً ایک ساتھ ہی شروع ہوئیں اور ایک ساتھ ہی آگے بڑھیں۔ اسی وجہ سے دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں ان کو صنفِ غزل سے دلچسپی زیادہ رہی۔ اگرچہ تصوف سے بھی اُن کو کافی لگاؤ رہا، لیکن تغزل ہی زیادہ تر ان کے کلام کی خصوصیت نظر آتا ہے۔ اس

حسن و معاملاتِ حسن، عشق و مطالباتِ عشق سے کافی شغف رہا ہے اور واقعاتی رنگ اکثر و بیشتر ان کی غزلوں میں نمایاں رہتا ہے۔ قدرت کی طرف سے مزاجِ سلیم ان کو عطا کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے ان کے یہاں شاعری اور نوجوانی اپنے مسلمہ حدود سے آگے بڑھنے کی کوشش یا غلطی نہیں کرتیں۔ انھوں نے دونوں سے رسم و راہ اور دونوں کے ربط باہم کو ہمیشہ متوازن رکھنے کی کوشش کی اور ایسا کبھی نہیں ہونے دیا کہ جوانی کی دیوانگی شاعری کے اعصاب پر سوار ہو جائے یا شاعر مزاجی ان کی جواں کرداری پر حاوی ہو کر مذاقِ سلیم کے لئے عذاب بن جائے۔

علاوہ ازیں حضرت آسی کو تعلقداری، زمینداری یا اب یوں کہئے کہ فارمنگ اور کاشتکاری سے بے حد دلچسپی رہی ہے، اور میدانِ عمل میں یہی ان کا ذریعہ معاش و مشغلہ حیات ہے اس سلسلہ میں ان کی زندگی کا بیشتر حصہ دیہات میں گذرتا ہے اور شاعرانہ نقطۂ نظر سے مناظر قدرت کا مطالعہ معرفتِ کردگار حاصل کرنے اور بصیرت افروز ہونے میں معاون و مددگار ہوتا ہے۔ ہم ان کے کلام میں جا بجا صبح نو دمیدہ کی صباحت و پاکیزگی پاتے ہیں اور شفق رنگیں کی شوخی و نظر نوازی اکثر ان کے خیالات کو حسین تر ماحول اور دلکش پس منظر میں پیش کرنے کا سارا ساز و سامان فراہم کر دیتی ہے۔ وہ مناظر قدرت اور حوادثِ روزگار دونوں کو یکساں

کامیابی کے ساتھ اپنی شاعری میں پیش کرتے ہیں اور دل و دماغ دونوں کو بیک وقت محظوظ ہونے کا موقع دیتے ہیں۔ ان کو شاعری اور زمینداری دونوں سے محبت ہے اور بڑے سلیقہ سے دونوں سے نباہنے اور دونوں کی لاج رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ غمِ جاناں اور غمِ دوراں دونوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور کسی کو بے وفائی یا کم نگاہی کی شکایت نہیں ہونے دیتے۔ فکرِ معاش، ابنائے جنس اور ستم ہائے روزگار جب انھیں سنبھلنے یا دم لینے کا موقع دیتے ہیں تو ان کے تاثرات و جذبات اشعار کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر نمایاں ہونے لگتے ہیں اور پرانے تجربات اور نئے حادثات نفسیاتی تجزیہ اور تحلیل کے ساتھ غزل کے اشعار میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ عزلت پسند انسان ہیں اور ان کے فرصت کے لمحات اکثر فکرِ سخن میں گزرتے ہیں جس کے لئے وہ نہ کبھی کسی سے کسی صلہ کے طالب یا متوقع ہوتے ہیں۔ نہ کسی ستائش کے تمنائی۔

حضرت آسی نے خداداد ذوقِ سخن پایا ہے اور فنِ شعر میں کسی کی شاگردی کا شرف حاصل کرنا انھوں نے ضروری خیال نہیں کیا۔ البتہ کبھی کبھی مشورۂ سخن حضرت آفق موہانی سے کر لیتے ہیں۔ مشاعرہ وارثی سے ان کو خاص دلچسپی ہے اور بالعموم مشاعروں سے بے تعلقی اور بے نیازی کے باوجود انجمن وارثی کے مشاعروں میں گذشتہ بیس سال سے کبھی کبھی شرکت فرماتے رہے ہیں اور ایک

مخصوص حلقۂ احباب میں اپنے عارفانہ رنگِ سخن کی داد پاتے رہے ہیں۔ کلام میں پختہ کارانہ اور اُستادانہ رنگ زیادہ تو نہیں پایا جاتا، لیکن والہانہ اور بے تکلف اندازِ بیان کے دلکش نمونے جا بجا نظر آتے ہیں۔ جو ان کی شگفتہ گفتاری اور خوش مذاقی کے ضامن ہیں۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:-

ہے نگاہ میں ابھی تک وہی شاخ آشیاں کی
نہ بہارِ گلستاں ہے نہ قفس نہ آشیانا

"وہی شاخ" پر ذرا گہری نگاہ رکھیے اور پھر دیکھیے کہ کیا کیا لطیف معانی اس شعر سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور فکر و فن کی لطافتوں کے علاوہ شاعر کے جذبۂ وطن پرستی اور زاد بوم کی محبت کو کس خوش اسلوبی کے ساتھ سُننے والے کے ذہن پر واضح کردیتے ہیں۔ بہارِ گلستاں ختم ہو گئی۔ قفس کی قید سے بھی کسی نہ کسی طرح مرکھپ کر رہائی حاصل ہو گئی۔ گلشن میں آشیانہ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ تباہی و بربادی کی تکمیل ہو گئی۔ لیکن دَورِ اوّلیں کی محبت اور اس شاخ کا تصوّر کہ جس پر کبھی بال و پر نکالے تھے اور جس کو آشیانہ کہا جاتا تھا، آبادیوں اور بربادیوں، آسائشوں اور آزمائشوں کے کئی دَور گزر جانے کے بعد بھی برابر نگاہوں میں پھر رہا ہے اور بھلانے کی کوشش مزید یادآوری کا سامان فراہم کردیتی ہے۔

رنگِ تغزل میں محبوب کی بے نیازی اور حضرت آسی کی

بے کسی، بے بسی اور کس مپرسی کی کیفیت قابلِ غور ہے۔ کس حسرت سے فرماتے ہیں ؎

کبھی اتنا تو آہی کو سمجھتے
کہ ہے یہ بھی کوئی آفت رسیدہ

وارداتِ عشق و محبت اور آلام و مصائب کے کچھ پہلو اُن کی آپ بیتی میں ملاحظہ ہوں ؎

دل گیا دل کے داغِ الم رہ گئے
حادثاتِ نظر کے کرم رہ گئے

توجہ وہ جتنی بھی فرما رہے ہیں
خرابی کے ساماں نظر آرہے ہیں
مری زندگی بھی کوئی زندگی ہے
ارادے حوادث سے ٹکرا رہے ہیں

ذوقِ عرفاں اور معرفتِ کردگار کی ایک جھلک ملاحظہ ہو ؎

سمٹ آئی نظر میں جلوہ گاہِ نازِ موسیٰ
ہمیں اب دیکھنا ہے حُسنِ جاناں کون دیکھے گا

خراباتِ دیر و حرم میں بھی آسی
حقیقت کے جلوے نظر آرہے ہیں

انھوں نے اپنی زندگی کو دوسروں کی راحت رسانی کے لئے وقف رکھا۔ اور کسی کے برقِ تبسم کو آزمانے کے شوق میں اپنے خرمنِ ہستی کے جل جانے کی کبھی پروا نہیں کی۔ یہی ان کا مزاج ہے اور یہی ان کا کردار ؎

بلا سے خاک ہوا جل کے خرمنِ ہستی
یہاں تو برقِ تبسم کو آزمانا تھا

قصہ مختصر حضرت آسی کی شاعری اور شخصیت دلچسپ خصوصیات کی حامل ہے اور مجھے یہ دیکھ کر بیحد مسرت ہے کہ ان کا کلام مدون اور مرتب ہو کر شائع ہو رہا ہے اور حضرت آسی بھی صاحب دیوان شعراء کے زمرے میں شامل ہو رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ انتخاب کلام قبولِ خاص و عام کا شرف حاصل کرے اور حضرت آسی کے لئے بقائے دوام کا سرمایہ ثابت ہو۔

(ڈاکٹر) عبدالاحد خان خلیل
ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔
شعبہ اردو و فارسی۔ لکھنؤ یونیورسٹی

نعمت اللہ روڈ۔ لکھنؤ
۶ر جولائی ۱۹۶۳ء

ایک غزل

(۶)

میں کلیم آشنا نہیں، کلام کا تنا سا اسطرح ہوا کہ درجِ ذیل غزل میرے مطالعہ میں ہے اور مجھے مختصراً اس پر اپنے اظہارِ خیال کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک رسم ہو گئی ہے کہ دیوان یا مجموعۂ کلام طبع ہوتے وقت جو بھی قابلِ اعتنا اور صاحب مذاق نظر آئے وہ اس کی نسبت کچھ نہ کچھ ضرور لکھے مجھے فخر ہے کہ میں قابلِ اعتنا تو سمجھا گیا۔ حالانکہ مجھے خود اپنے لکھے ہوئے پر اعتنا نہیں ہے بہر کیف جو بھی ہو صاحب فرمائش کی خوشی پوری کرنا ہی ہوگی۔ صاحب فرمائش صاحب دیوان نہ سہی پھر بھی فرمائش اپنی جگہ پر فرمائش ہی رہے گی۔ ملاحظہ ہو غزل کا مطلع ہے ؎

کھل گئے زخمِ جگر، غم کی گھٹا چھائی ہے — آپ کے حسن کے صدقے میں بہار آئی ہے۔

بہار، بہار ہی ہے خواہ پھولوں کی ہو یا زخموں کی۔ زخم مشابہ پھول کے ہوتے ہیں شعرا نازک خیال نے اُن کو پھول ہی کہا ہے گو سمجھا نہ ہو۔ اور یہ سب کچھ معشوق کے حسن کا صدقہ ہے یہاں دوسرے مصرعہ میں معشوق کی جفاؤں کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے یہ ابہام صرف حسن کہہ دینے سے اور بھی خوبصورت ہو گیا ہے۔ اگرچہ زخم جگر اور غم کی گھٹا، جفائے یار اور معشوق کی بے اعتنائی سے وابستہ ہیں۔ تاہم اس کو حسن ہی کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ ایسی لطافتیں شعریت کا نکھار ہوتی ہیں ؎

پہلی ہی بار ہوا موجب بربادیٔ دل — بار ہا یوں تو نظر حسن سے ٹکرائی ہے

حسن کی پہلی نظر بربادیٔ دل کے سبب کچھ اس طرح بنی کہ بارِ دگر پڑنے والی نظر دل کی تمام دوسری رعنائیاں سلب ہو گئیں اور اُن کی پروا بھی نہ رہی جبکہ پہلی نظر میں ہی دل برباد ہو چکا۔ شاعر نے نقشِ اول کی گہرائیوں کو بہت ہی سلیقہ سے واضح کر دیا ہے کیا کہنا ہے ؎

صاف ظاہر ہے کہ بگڑے ہوئے وہ بیٹھے ہیں — اُس کی تصویر میں روٹھی ہوئی رعنائی ہے

روٹھی ہوئی رعنائی کا اظہار تصویر سے کچھ اس طرح ہوا کہ معشوق کا روٹھنا چھپ نہ سکا۔ مفہوم نیا نہ سہی مگر بندش ضرور جدت طراز ہے۔ کسی لکھنوی شاعر کا شعر ہے ؎

تصویر میں کھنچی ہیں، ہی بدلے ہوئے تیور
آنکھوں میں مروت کا کہیں نام نہیں ہے

اس شعر میں بھی معشوق کی تصویر اسکی اصل حالت میں دکھائی گئی ہے مگر تصویر کی آنکھ سے مروت کی توقع سمجھ میں آنیوالی بات نہیں اسلیئے المعنی فی البطن الشاعر ہو کر رہ گئی۔ برخلاف مذکورہ شعر کے جسمیں روٹھی ہوئی رعنائی کہہ کر شعر کو ایک دلکش مقام پر پہنچا دیا گیا ہے کیونکہ رعنائی کی تصویر کھینچی جا سکتی ہے مگر مروت جو دیکھنے والی چیز نہیں کیونکر کھینچی جا سکتی ہے اور جسکے تصویر میں نہ ہونے کا رونا رویا گیا ہے۔ ایسا شعر محض الفاظ کے گورکھ دھندے سے کبھی مقبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔

دل کی آواز تھی ساقی کہ ہوا جامِ شکست
ایک جھنکار سی کانوں میں مرے آئی ہے

استفہام اور ابہام دونوں لاجواب۔ کیا کہنا۔ ساقی کو استعجاب میں ڈال کر پوچھا جاتا ہے کہ یہ دل کی آواز تھی یا شکستِ جام کی؟ حالانکہ دل کی آواز کو بظاہر مخفی رکھا گیا ہے۔ پھر بھی تیقن اسی کا دلایا گیا ہے۔ اس برجستگی اور شوخِ طبعی کی داد شاعر کو جسقدر بھی دی جائے کم ہے۔ مقطع ہے ؎

کچھ تو آستی یہ ہے مخمور نگاہی کا کرم
اور کچھ جنبشِ داماں سے بھی نیند آئی ہے

معشوق کی مخمور نگاہی نے کیا کم اثر کیا تھا اس پر جنبشِ داماں نے کرم بالائے کرم کا کام کیا۔ ہجر کی راتیں آہ و فغاں میں بسر کرنے والے عاشق کو بالآخر نیند آ ہی گئی۔ تخیل بھی نادر اندازِ بیان بھی قریب اچھوتا۔ سبحان اللہ۔

میں نے مختصراً غزل مذکور کے چند اشعار پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ابھی کچھ اشعار باقی ہیں۔ جو ایسے ہی پسندیدہ اور مقبولِ خاطر ہیں مگر نہ وقت ہے نہ ضرورت۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ میں شاعر محترم کی شخصیت اور نام و پتہ سے آگاہ نہیں میں نے جو کچھ لکھا صرف کلام کو دیکھ کر لکھا ہے۔ فقط

محمد عتیق ایم اے۔ ریسرچ اسکالر لکھنؤ یونیورسٹی
۲۵ جولائی ۱۹۶۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناجات

★

اے تاجدارِ دو جہاں ارحم لنا ارحم لنا
اے مالکِ کون و مکاں ارحم لنا ارحم لنا

اسرارِ حق کے راز داں ارحم لنا ارحم لنا
اے خاتمِ پیغمبراں ارحم لنا ارحم لنا

تاریک ہے راہِ فنا منزل نہ میرِ کارواں
ہر ہر قدم پر امتحاں ارحم لنا ارحم لنا

اے مظہرِ شانِ خدا کب ذاتِ حق تجھ سے جدا
تو ہے حجابِ درمیاں ارحم لنا ارحم لنا

اک لفظِ کن سے ہو گیا اظہارِ حق کا مدعا
اے رازدارِ کن فکاں ارحم لنا ارحم لنا

ہے جس کے قدموں سے جہاں سجدے تڑپتے ہیں جہاں
لے جذبِ دل پہونچا وہاں ارحم لنا ارحم لنا

ہے وقت مشکل امتحاں آسی ترا جائے کہاں
اے پردہ دارِ عاصیاں ارحم لنا ارحم لنا

نعت نبی کریم صلعم

★

زندگی کا سہارا مدینے میں ہے
کعبۂ دل ہمارا مدینے میں ہے

جس کی ضو سے ستارے ضیا پاش ہیں
عرشِ اعظم کا تارا مدینے میں ہے

یہ غمِ زندگی لے کے جاؤں کہاں
درد و غم کا سہارا مدینے میں ہے

جان قرباں مری روضۂ پاک پر
مجھ کو سب کچھ گوارا مدینے میں ہے

اور ہمت ذرا دو قدم ہے حرم
لغزشِ پا سہارا مدینے میں ہے

رُوح بے چین ہے دل پریشان ہے
رُوح پرور نظارا مدینے میں ہے

میں نہ لرزاں ہوا ظلمتِ کفر سے
نام حق کا پکارا مدینے میں ہے

زندگی ہے مگر ایک طوفانِ غم
بحرِ غم کا کنارا مدینے میں ہے

رحمتِ حق سے مایوس آسی نہ ہو
بخششوں کا سہارا مدینے میں ہے

دیگر

★

کون وہ دل جو نہیں آپ کا شیدائی ہے
ہر نظر گنبدِ خضرا کی تمنائی ہے

جس طرف دیکھیے رحمت کی گھٹا چھائی ہے
کس قدر حشر بداماں ترا سودائی ہے

دل افسردہ مسرت سے کھلا جاتا ہے
ہو کے مس روضۂ اطہر سے صبا آئی ہے

کچھ پہنچنے میں مرے باعثِ تاخیر بھی ہے
اور کچھ خوبیٔ قسمت نے قسم کھائی ہے

میرا ایماں ہے یہی آیتِ قرآں ہے یہی
آپ کی شان میں لولاک لما آئی ہے

حسرتِ دید مدینہ ہے کرم ہو مجھ پر
دل ترے روضۂ اقدس کا تمنائی ہے

جان قربان ہوئی جس کی ترے در پہ حبیبؐ
کس قدر زندۂ جاوید قضا پائی ہے

سربلندی میں نہیں گنبدِ خضرا کی مثال
رفعتِ گنبدِ افلاک کو شرم آئی ہے

دل ہے بے چین مدینے کی بہاروں کیلئے
آنکھ میں یاس کی تصویر اتر آئی ہے

سب ہیں دل نور سے روشن دلِ آسی کے سوا
یہ تری بارشِ انوار کی رسوائی ہے

منقبت امامؑ

(نوحہ)

★

یادِ حسینؑ اشکوں کی روانی
زخمِ جگر گلزار معانی
اصغرؑ کی وہ تشنہ دہانی
رحمتِ حق تھی پانی پانی

ختم ہوئی اکبرؑ کی جوانی
شمرِ لعیں نے ایک نہ مانی
گلشنِ زہراؑ آلِ پیمبرؐ
بادِ خزاں کم بخت نہ مانی

کاش وہ دیکھیں کاش وہ سمجھیں
لوگ جسے سمجھے ہیں کہانی

داغِ الم دل میں ہیں آسیؔ
سبطِ پیمبرؐ کی ہیں نشانی

غزلیات

مجھے یاد ہے ابھی تک وہ الست کا زمانا
وہ خرد کی بے نیازی وہ جنونِ والہانا
مری زندگی کہانی، مرا ہر نفس فسانا
تری گردشِ نظر ہے مری گردشِ زمانا
ہے نگاہ میں ابھی تک وہی شاخِ آشیاں کی
نہ بہارِ گلستاں ہے نہ قفس نہ آشیانا
یہ بہارِ بے خزاں بھی ہے خزاں مری نظر میں
کہ خرد پہ پڑ گیا ہے وہ جنوں کا تازیانہ

ابھی زندگی کی اپنی نہیں ختم داستاں ہے
ابھی لے رہا ہے آتی نئی کروٹیں زمانا

مرا دل اور دل کے داغِ پنہاں کون دیکھے گا
نگاہوں کا تصادم غم کے عنواں کون دیکھے گا

مرے سینے کے داغِ حشر ساماں کون دیکھے گا
نظر داماں پہ ہوگی زیرِ داماں کون دیکھے گا

فسردہ ہر کلی ہے وارداتِ دل کا افسانہ
بہاروں میں دگرگوں رنگِ بُستاں کون دیکھے گا

ہنسی آتی ہے رہ رہ کر خیالاتِ پریشاں پر
پریشاں کے خیالاتِ پریشاں کون دیکھے گا

بکھر آئی ہیں زلفیں کھا کے بل رخسارِ جاناں پر
شبِ تاریک میں صبحِ درخشاں کون دیکھے گا

سمٹ آئی نظر میں جلوہ گاہِ ناز اے موسیٰ
ہمیں اب دیکھنا ہے حسنِ جاناں کون دیکھے گا

دھڑک جاتا ہے دل اندیشۂ صبحِ درخشاں سے
مری بیتابیاں اے شامِ ہجراں کون دیکھے گا

مری ہی بیخودی کو دینگے سب الزام کم ظرفی
تری جنبش نگاہِ کیف ساماں کون دیکھے گا

وفا کی اُن سے امیدیں خیالِ خام ہیں آسی
نگاہوں سے گرا کر عہد و پیماں کون دیکھے گا

تو نے کیا جانِ بہار کیف ساماں کر دیا
پڑ گئی جس پر نظر گلشن بداماں کر دیا

میری صبحِ زندگی کو شامِ ہجراں کر دیا
ذرہ ذرہ ہستیٔ دل کا پریشاں کر دیا

زندگی اتنی نہ تھی پابندِ موجِ اضطراب
ہم نے خود کشتی کو اپنی نذرِ طوفاں کر دیا

گلُ تھے پژمردہ کلی افسردہ سبزہ تھا اداس
آپ کیا آئے گلستاں کو گلستاں کر دیا

وہ شمیم روح پرور وہ نسیمِ خوش گوار
تم نے ہر ارماں خیالِ خام ارماں کر دیا

جلوۂ جاناں تھا آسی وجہ حیرانی کبھی
اب مری نظروں نے خود جلوہ کو حیراں کر دیا

آہِ سوزاں نے جلا کر قلبِ مضطر رکھ دیا
ایک چنگاری تھی جس نے پھونک کر گھر رکھ دیا

آپ بھی واقف نہیں ہیں نالۂ شبگیر سے
جس نے بنیادِ محبت کو ہلا کر رکھ دیا

ہم بھی اُن کے ہیں خزاں انکی بہاریں انکی ہیں
ہم نے اپنا آشیاں اُن کی نظر پر رکھ دیا

جاذبِ سجدہ تھا ہر ذرہ حریمِ ناز کا
ہم نے پیشانی کو کیا جانے کہاں پر رکھ دیا

اس طرف عشقِ حقیقی اُس طرف عشقِ مجاز
دل نے بتخانے کو کعبے کے برابر رکھ دیا

داورِ محشر بھی ہے آسی وہی قاتل ترا
تو نے اپنا فیصلہ جس کی نظر پر رکھ دیا

غمِ ہستی تھا پہلے پھر ہوا دردِ نہاں پیدا

کوئی اپنا نہ تھا اب ہوگیا ہے رازداں پیدا
نگاہیں ہو رہی ہیں ترجماں ایامِ رنگیں کی
مرے ہر اشک سے ہوتا ہے رنگِ داستاں پیدا
ابھی محدود سی دُنیا قفس کی تیلیوں تک ہے
ابھی سے ہو رہا ہے کیوں خیالِ آشیاں پیدا
دلِ دیوانہ کو کیوں انتظارِ موسمِ گُل ہو
مرے اشکوں نے دامن پر کیا ہے گلستاں پیدا
وہی ہم ہیں وہی تم ہو وہی نظریں وہی دل ہے
مگر پھر کیوں ہوا بربادیٔ دل کا گُماں پیدا
محبت بانیٔ تخلیق ہے سب آستانوں کی
جبینِ شوق سے ہوتے ہیں سنگِ آستاں پیدا
ابھی سوزِ محبت تجھ کو اشکوں سے بجھانا ہے
نہ ہوجائے کہیں خاموش آہوں میں دھُواں پیدا
گھٹائیں آسماں پر چھا گئیں تاریکیٔ غم کی
ہوا ہے آسماں ایک اور زیرِ آسماں پیدا
ذرا تارِ نفس چھیڑو تو مضرابِ محبت سے
ابھی ہوجائے آتشیں نغمۂ دل میں نہاں پیدا

دن انگلیوں پہ گن کے کٹے انتظار کے
آئے تو آپ وعدۂ فردا گزار کے

یہ موسمِ بہار یہ صحرا یہ لالہ زار
تیور بدل گئے نگہِ انتظار کے

قیدِ قفس میں خونِ جگر سے خزاں نصیب
دامن پہ کھینچ لیتے ہیں نقشے بہار کے

ہر سمت ہے نظامِ چمن میں خزاں کا دَور
زیور اُتر رہے ہیں عروسِ بہار کے

کیا جانے اک نظر نے تری کر دیا ہے کیا
اچھے نہیں ہیں رنگ دلِ بے قرار کے

دامن ہے پُرزے پُرزے گریباں ہے تار تار
آنکھوں کے سامنے ہیں نتیجے بہار کے

وہ آئیں یا نہ آئیں اُنھیں اختیار ہے
آسیؔ تو لے رہا ہے مزے انتظار کے

نہ پوچھو کیوں ہوا ہیں آبدیدہ — کسی امید پر ہوں غم کشیدہ
نگاہوں کا نگاہوں سے تصادم — بتاتا ہے مرا رنگِ پریدہ
سنورنے سے نہیں آرائشِ حسن — پڑا رہنے دو زلفوں کو خمیدہ
ہوئے وقفِ جنوں جیب و گریباں — بہار آئی مگر دامن کشیدہ
نہ آئے تو تصور ہی میں آؤ — ہوئے جاتے ہو کیوں صیدِ رمیدہ
سمجھ لو دیکھ لو پہچان لو خوب — وہی دل ہے مگر اب ہے دریدہ
غموں سے دور ہے بیگانۂ ہوش — کہ ہیں پائے خرد اس جا بریدہ
ملے جس جس کو ہے یہ اس کی قسمت — نہیں یہ غم کسی کا آفریدہ

کبھی اتنا تو آسی کو سمجھتے
کہ ہے یہ بھی کوئی آفت رسیدہ

دل گیا دل کے داغ الم رہ گئے
حادثاتِ نظر کے کرم رہ گئے

دیکھتے ہی خدا کی قسم رہ گئے
اُن کے جلوؤں میں ضم ہو کے ہم رہ گئے

بحرِ غم میں ہی ساحل تھا پیشِ نظر
زندگی کے تلاطم میں ہم رہ گئے

منزلوں دور تھی اپنی راہ طلب
جب سہارا دیا تم نے ہم رہ گئے

میرا جوشِ الم اُن کی رسوائیاں
غم چھپایا تو اندازِ غم رہ گئے

اے بہارِ گلستاں، ہوائے جنوں
تارِ داماں ابھی بیش و کم رہ گئے

خوب دیکھا انھیں خوب جانچا انھیں
منجمد ہو کے کیوں اشکِ غم رہ گئے

ساقی ماہ وش اک ادھر بھی نظر
کچھ اِدھر ماورائے کرم رہ گئے

میں سمجھتا ہوں آتی یہ اُن کا کرم
ہر مسرت میں عنوانِ غم رہ گئے

غمِ حیات قضا کا تو اک بہانا تھا
اذیتِ غمِ پنہاں کو کھول جانا تھا

بلا سے خاک ہوا جل کے خرمنِ ہستی
یہاں تو برقِ تبسم کو آزمانا تھا

ترے کرم کے تصدق تری عطا کے نثار
ہمیں تو وسعتِ دامن کو آزمانا تھا

ابھی ابھی تو وہ آئے تھے اور چلے بھی گئے
تصورات کے دامن پہ داغ آنا تھا

بہت سنے تھے ترے واقعاتِ برق و شرر
یہ کیا خبر کہ تری زد میں آشیانا تھا

بہار آئی طبیعت جنوں نواز سہی
نہ اس طرح درِ زنداں کو آزمانا تھا

غمِ بہار تو تھا موسمِ بہار نہ تھا
ہمیں تو دامنِ صحرا کو گھر بنانا تھا

جو آئیں آپ تو دہراؤں داستانِ جنوں
ابھی بہار کے دن تھے ابھی زمانا تھا

کنارِ موج و تلاطم میں کھیلنا کیسا
اسی جگہ پہ سفینے کو ڈوب جانا تھا

نہ جیب ہے نہ گریباں نہ دامن لے آتی
ابھی بہار میں کلیوں کو مسکرانا تھا

توجہ وہ جتنی بھی فرما رہے ہیں
خرابی کے ساماں نظر آ رہے ہیں

تصور میں جلوے نظر آ رہے ہیں
نگاہوں کو دھوکے دیئے جا رہے ہیں

مرے زخمِ دل سب کھلے جا رہے ہیں
بہاروں سے وہ کھیلنے آ رہے ہیں

تصور ہے اُن کا ارادے ہیں اُن کے
چلے آ رہے ہیں چلے جا رہے ہیں

محبت حقیقت کو سمجھا رہی ہے
نگاہوں کے پردے اٹھے جا رہے ہیں

مری زندگی بھی کوئی زندگی ہے
ارادے حوادث سے ٹکرا رہے ہیں

تری یاد میں ہیں یہ اشکِ مسلسل
کہ دریا اُمنڈتے چلے آ رہے ہیں

کوئی اُن سے کہدے نہ وہ مسکرائیں
کہ زخموں میں ٹانکے دیے جا رہے ہیں

خرابات و دیر و حرم میں بھی آسی
حقیقت کے جلوے نظر آ رہے ہیں

بیخودی تو ہی بتا دے ہم کہاں تک آ گئے
لامکاں تک یا حجاب درمیاں تک آ گئے

کون تھے ہم اور کہاں تھے ہم کہاں تک آ گئے
تھی طلب صادق تمہارے آستاں تک آ گئے

اپنا اپنا ہے مقدر اپنا اپنا ہے خیال
ہم وہی منزل سمجھتے ہیں جہاں تک آ گئے

کوئی سمجھے بارگاہِ آستانِ وارثی
ہم سمجھتے ہیں درِ باغِ جناں تک آ گئے

ہم ہیں اور راہِ طلب کی منزلوں کے پیچ و خم
آپ ہی سمجھیں کہاں ہم تھے کہاں تک آ گئے

بیخودی میں کہہ نہ پائے داستانِ دردِ دل
پھر وہیں ہم ابتدائے داستاں تک آ گئے

بجلیوں کی زد میں کب آیا ہے آتی آشیاں
ہو کے جب آزاد صحنِ گلستاں تک آ گئے

گلُ وہی گلشن وہی رنگِ گلستاں اور ہے
زندگی کچھ اور ہے جینے کا ساماں اور ہے
بیخودی میں امتیازِ کفر و ایماں اور ہے
خوابِ مستی اور ہے خوابِ پریشاں اور ہے
ہو رہی ہے غم سے وابستہ پھر اپنی زندگی
کیا ابھی قسمت میں کچھ خوابِ پریشاں اور ہے
لے رہا ہے پھر نئی کروٹ نظامِ زندگی
آج اندازِ نگاہِ کیف ساماں اور ہے
کھل رہے ہیں آج مرجھائے پھر اپنے زخمِ دل
ہو چکی تخریب تنظیمِ گلستاں اور ہے
ڈھونڈ مت آسی تلاطم میں حیاتِ جاوداں
بحرِ غم کچھ اور ہے ساحل کا داماں اور ہے

ملتے ہی نظر اُن سے ہم ہو گئے دیوانے
ہر جنبشِ مژگاں نے پیدا کئے افسانے

ہر رسمِ محبت سے ہر راہ سے بیگانے
یہ ہوش کی باتیں ہیں دیوانے تو دیوانے

زاہد نہ اسے سمجھے ناصح بھی نہ پہچانے
یہ دل کے مرقعے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے

انجامِ محبت کا آغاز تو ہم جانیں
آغازِ محبت کا انجام خدا جانے

اک معنیٔ پنہاں تھی دیوانے کی خاموشی
ہر آہ میں پوشیدہ افسانے در افسانے

سو ہوش مرے صدقے ساقی کی نگاہوں پر
میخانے کے میخانے پیمانے کے پیمانے

کیوں دل پہ توجہ ہے کیوں دل پہ عنایت ہے
ہم دل کی حقیقت کو خود آپ نہ پہچانے

دھل جاتے ہیں عصیاں بھی سب اشکِ ندامت سے
خاموش ہیں اس حد پر تسبیح کے سب دانے

قسمت میں ازل ہی سے تھی سوختہ سامانی
صد زیست فدائے تو لئے شعلہ بدامانے

تدبیر بھی ہم رشتہ تقدیر سے ہے آسیؔ
سنتے ہی چلے آئے تقدیر کے افسانے

دامن پہ لہو ٹپکا جب دیدۂ گریاں سے
تصویر بہاروں کی کھینچی ہے رگِ جاں سے
خود اُن کے بتاتے ہیں اندازِ پریشاں سے
کانٹوں سے وہ بچ بچ کر آئے ہیں گلستاں سے

میں خوب سمجھتا ہوں ہر شانِ عطا تیری
خود مجھکو شکایت ہے کوتاہیٔ داماں سے
سمجھا نہ ابھی تک میں کچھ آپ ہی سمجھائیں
ارمان لپٹتے ہیں کیوں آپ کے داماں سے

اس رازِ حقیقت سے کچھ آپ ہیں وابستہ
دیوانہ ہوا کوئی ہیں آپ پشیماں سے
کب ہوش ہوا مجھکو دامن کی حقیقت کا
جب پھول چنے میں نے دامن میں گلستاں سے

تعمیرِ گلستاں سے تخریب ہی بہتر تھی
شکوے ہیں عنادل کو تنظیمِ گلستاں سے
پھر فصلِ بہار آئی دیوانوں کی بن آئی
آپس میں چلی آتی پھر دست و گریباں سے

کہیں وقفِ در ہو کے کیا کیجئے گا
سراپا نظر ہو کے کیا کیجئے گا

نگاہِ محبت تو جلووں میں گم ہے
حجابِ نظر ہو کے کیا کیجئے گا

نویدِ بہاراں ہیں یہ چند کلیاں
ابھی جامہ در ہو کے کیا کیجئے گا

مری زندگی ہے فریبِ مسلسل
فریبِ نظر ہو کے کیا کیجئے گا

ابھی ہے نظر میں مآلِ محبت
ابھی نوحہ گر ہو کے کیا کیجئے گا

اداؤں کو معصوم رہنے ہی دیجئے
ابھی فتنہ گر ہو کے کیا کیجئے گا

دلِ مضطرب وقفِ سوزِ دروں ہے
شرارِ نظر ہو کے کیا کیجئے گا

کرم کی تو ہر ہر ادا جانستاں ہے
ستم کی نظر ہو کے کیا کیجئے گا

بچھے ہیں محبت کی راہوں میں کانٹے
مرے ہم سفر ہو کے کیا کیجئے گا

نگاہیں نگاہوں میں ضم ہو رہی ہیں
ہماری نظر ہو کے کیا کیجئے گا

تصوّر میں آسی کے آنے سے نفرت
نگاہوں میں گھر ہو کے کیا کیجئے گا

دل کو کسی صورت کہیں آرام نہیں ہے
کیا اُن کی نظر موردِ الزام نہیں ہے

وہ آئے تو گردش میں ابھی جام نہیں ہے
یہ بھی تو نہیں گردشِ ایام نہیں ہے

مدہوش ہوں لغزش کا کہیں نام نہیں ہے
ساقی کی نگاہوں پہ تو الزام نہیں ہے

قسمت میں مری صبح نہیں شام نہیں ہے
یہ تو کوئی آغاز کا انجام نہیں ہے

ہے حسن کی فطرت سے نگاہوں کا تصادم
دونوں میں کوئی موردِ الزام نہیں ہے

جو حسن و محبت میں ہیں آغاز کی باتیں
یہ کون سمجھتا ہے کہ انجام نہیں ہے

ویران نگاہوں میں جنوں کی ہے حکومت
اَب گردشِ دوراں مری ناکام نہیں ہے

دُنیائے محبت پہ شبِ غم کا ہے الزام
وہ کون سی دُنیا ہے جہاں شام نہیں ہے

اے جذبِ طلب خود ہی چلی آئے گی منزل
گم کردۂ منزل ابھی ناکام نہیں ہے

ہر نقشِ قدم پر ہے نظر دیکھ رہا ہوں
ان میں تو کوئی حشر کا پیغام نہیں ہے

آسیؔ کی نگاہوں میں سمٹ آئے ہیں جلوے
اب ذوقِ نظر جلوہ گہِ عام نہیں ہے

ابھی سے ہر مسرّت غم کا عنواں ہوتی جاتی ہے
طبیعت خود بخود مانوس حرماں ہوتی جاتی ہے

عنایت کیوں تری زلفِ پریشاں ہوتی جاتی ہے
مری دیوانگی اَب پابہ جولاں ہوتی جاتی ہے

کرم بدلا نظامِ زندگی بدلا نظر بدلی
محبّت اب خیال خام ارماں ہوتی جاتی ہے

یہ مانا زندگی آئینہ دارِ رازِ فطرت ہے
مگر اب بے نیازِ کفر وایماں ہوتی جاتی ہے

وہاں اشکوں میں شامل خونِ ارماں ہوتا جاتا ہے
یہاں دامن پہ تعمیر گلستاں ہوتی جاتی ہے

شباب آیا بہارِ زندگی آئی حجاب آیا
تری ہر اک ادا غارت گرجاں ہوتی جاتی ہے

خدا کی شان یہ کافر نگاہیں کعبۂ دل پر
تری کافر نگاہی نذرِ ایماں ہوتی جاتی ہے

مری ہر سانس بھی آتی ہے ممنونِ کرم اُن کی
محبّت کی حقیقت اب نمایاں ہوتی جاتی ہے

یہ اُن کی عنایت یہ اُن کا کرم ہے
مری ہر مسرت بھی مانوس غم ہے

نگاہِ کرم کا یہ کیسا کرم ہے
لبوں پر تبسم مگر آنکھ نم ہے

عطا جو کیا ان کی شانِ کرم ہے
اُنھیں کی خوشی ہے اُنھیں کا تو غم ہے

پلا دے پلا دے کہ آنکھوں میں دم ہے
ابھی لغزشِ ماورا ہر قدم ہے

ازل سے غمِ دو جہاں لے کے آیا
طبیعت مسرت سے مانوس کم ہے

ہے تیری رضا جو جبینِ عقیدت
نہ قیدِ صنم ہے نہ شرطِ حرم ہے

سمجھتے ہیں سب جس کو سوزِ محبت
نہیں یہ کہیں پر شراروں سے کم ہے

نہ خوفِ تلاطم نہ موجوں سے کھٹکا
میری زندگی ایک طوفانِ غم ہے

سرِ عرش یہ رفعتیں بندگی کی
ہماری حقیقت تو ذرّوں سے کم ہے

جبینِ عقیدت جھکی جا رہی ہے
یہیں پر کہیں ان کا نقشِ قدم ہے

نہ رہ جائے آسی کوئی تارِ داماں
تجھے چاک دامانیوں کی قسم ہے

خونِ جگر سے دعوتِ مژگاں تو کیجیے
ہر اشکِ غم سے زینتِ داماں تو کیجیے

جوشِ جنوں بہار پہ قرباں تو کیجیے
دستِ جنوں کی نذرِ گریباں تو کیجیے

ہیں آپ بے نقاب تو جلوے ہیں بے پناہ
اب کچھ خیالِ دیدۂ حیراں تو کیجیے

آنکھوں کو انتظار کہ پھر آئے کب بہار
پہلے خیال جیب و گریباں تو کیجیے

پھر دیجیے نگاہ کو بھی دعوتِ جمال
دامن بچا کے سیرِ گلستاں تو کیجیے

آنکھوں میں دم ہے حسنِ نظر بیقرار ہے
اس مشکلِ حیات کو آساں تو کیجیے

شانِ عطا کو بعد میں پھر آزمائیے
پہلے خیال وسعتِ داماں تو کیجیے

اک جنبشِ نظر سے گلستاں سا کھل گیا
اندازۂ بہارِ رگِ جاں تو کیجیے

آسی اگر ہے آپ کو روزِ جزا کا خوف
اشکوں سے پاک دامنِ عصیاں تو کیجیے

محبت فریبِ نظر ہو نہ جائے
یہی غم غمِ معتبر ہو نہ جائے

کہیں رنگ لائے نہ محشر خرامی
قیامت کو اس کی خبر ہو نہ جائے

ابھی تک تو غم میرا اپنا ہی غم ہے
یہی غم متاعِ نظر ہو نہ جائے

یہی تو ہے بس کائناتِ محبت
مداوائے دردِ جگر ہو نہ جائے

نظر ہے نشیمن پہ کیوں بجلیوں کی
کہیں یہ شراروں کا گھر ہو نہ جائے

مرے زخمِ دل خود ہی مرجھا رہے ہیں
بہاروں کا ان پر اثر ہو نہ جائے

پریشاں نگاہیں ہیں دل بجھ رہا ہے
کہیں یہ چراغِ سحر ہو نہ جائے

نظر ہے کہیں رخ پہ بکھری ہیں زلفیں
مصیبت میں شام و سحر ہو نہ جائے

ہوا دے رہے ہیں وہ دامن سے آسی
کہیں زندگی کو خبر ہو نہ جائے

بدلتے ہی نگاہِ ناز کے سارا جہاں بدلا
کہ ہر اپنا پرایا مہرباں نامہرباں بدلا

ہماری خوبیٔ قسمت سے قانونِ جہاں بدلا
زمیں کے رہنے والے دیکھ رنگِ آسماں بدلا

حقیقت کیا ہوئی ظاہر حجابِ درمیاں بدلا
حرم میں آج کیوں ناقوس سے حکمِ اذاں بدلا

بہار آئی گھٹا چھائی ہے کلیاں مسکراتی ہیں
پلا ساقی کہ ہے کچھ آج رنگِ دو جہاں بدلا

جہاں تاریک ہے بیگانۂ راہِ محبت ہوں
نظر آتا ہے اب مجھکو غبارِ کارواں بدلا

ہمارے دل سے پوچھو رفعتیں ہیں جو نگاہوں میں
متاعِ زندگی سے ہم نے سنگِ آستاں بدلا

مزے سے سن رہے تھے داستانِ دردِ محبت کی
ہمارا نام آتے ہی مذاقِ داستاں بدلا

نگاہِ برق میں تھے خار تنکے آشیانے کے
نشیمن تو نشیمن گلستاں کا گلستاں بدلا

بہار آئی قیامت تھی گلوں کی چاکِ دامانی
بس اتنی بات پر آتشی مزاجِ وحشیاں بدلا

کیا اس کی خبر تھی غم ہی کو جینے کا سہارا کرلیں گے
ہم اُن کی نگاہوں سے گر کر یہ غم بھی گوارا کرلیں گے

ہوں تم کو مبارک دل والو دلچسپ مناظر ساحل کے
ہم بحرِ فنا کی موجوں میں ساحل کا نظارا کرلیں گے

بیگانۂ منزل ہو کر بھی امید کے دامن پر ہے نظر
ہر نقشِ کفِ پا کو اُن کے منزل کا سہارا کرلیں گے

جس سمت نگاہیں اُٹھ جائیں جلوے ہی نظر آئیں ہر سو
اک روز انھیں ہم جلووں کو پابند نظارا کرلیں گے

انجام یہ ہے کیوں اُن کی نظر وہ محوِ خرامِ ناز تو ہوں
ہم نقشِ کفِ پا کی خاطر سو حشر گوارا کرلیں گے

نظروں سے پریشاں ہوں نظریں یہ حُسنِ نظر کا دھوکا ہے
مانوس نگاہوں کو کیا ہم مایوس نظارا کرلیں گے

اک حشر بپا ہے سینے میں اک حشر کا ساماں پیشِ نظر
جلووں کی قسم ہم جلووں کو خود جذبِ نظارا کرلیں گے

ارمان مچلتے ہیں دل میں امید نہیں آتی اُن سے
وہ جنبشِ مژگاں کی کچھ بھی تکلیف گوارا کرلیں گے

دُور وہ جتنے بھی ہوں نزدیک لا سکتا ہوں میں
ہر تصوّر میں اُنھیں اپنا بنا سکتا ہوں میں

وہ اگر چاہیں تو غم میں مسکرا سکتا ہوں میں
پھول تو ہیں پھول کانٹوں سے نبھا سکتا ہوں میں

اور تھوڑی سی ابھی ساقی نگاہِ التفات
ہر قدم پر بیخودی میں لڑکھڑا سکتا ہوں میں

تیرے صدقے میں حجاب لامکاں تو لامکاں
اب حجاب درمیاں کو بھی اُٹھا سکتا ہوں میں

ہر تلاطم خیز طوفاں میں ہے تنویرِ حیات
یعنی ہر گرداب کو ساحل بنا سکتا ہوں میں

پہلے خود ہونا ہے محکوبے نیازِ آشیاں
پھر نگاہِ برق پر بھی مسکرا سکتا ہوں میں

پھر بہار آئے کہیں ہے لاکھ داماں تار تار
پھر رفو کرکے اسے داماں بنا سکتا ہوں میں

ہر قدم اپنا ہے جب آتی لقیدِ امتحاں
ہر قدم پر اک نئی منزل بنا سکتا ہوں میں

۶۰

جب نظر سے نظر ملائی ہے
ایک نازک سی چوٹ کھائی ہے

موت نے پھر حیات پائی ہے
اے غمِ زندگی دہائی ہے

دل بھی مل جائے گا کبھی نہ کبھی
اب تو اُن سے نظر ملائی ہے

زندگی سے ملی ہے غم کو نجات
آج غم نے خوشی منائی ہے

دے رہے ہو نظر کو دعوتِ ذوق
کیا وفاؤں کو شرم آئی ہے

میرے اپنے تو اشک غم بھی ہیں
زندگی ہے مگر پرائی ہے

بتکدہ بھی تو گھر خدا کا ہے
بُت کو بھی دعوئی خدائی ہے

بل ہیں ابرو پہ لب تبسم ریز
زندگی بن کے موت آئی ہے

دل کو دیتا ہوں اس طرح تسکیں
چاند تاروں میں بھی جدائی ہے

زیرِ داماں چھپائے ہیں کچھ شیخ
آج خطرے میں پارسائی ہے

میرے اشکوں پہ کچھ نہیں موقوف
گل بداماں تو اک خدائی ہے

دل سے نزدیک اور نظر سے دور
کشمکش میں غمِ جدائی ہے

کچھ تو عالم ہے خود فریبِ نظر
کچھ نظر بھی فریب کھائی ہے

ہو گئے زخمِ دل ہرے آسی
آج گھر میں بہار آئی ہے

کیا بات آپ کی نگہِ فتنہ گر میں ہے
اک کائنات دردِ دلِ مختصر میں ہے

وہ جنبشِ لطیف تمہاری نظر میں ہے
ہر لذتِ حیات غمِ معتبر میں ہے

فصلِ بہار کی نہ بیاباں کی کچھ خبر
وحشی ہے اور وسعتِ داماں نظر میں ہے

اتنا نہ چھیڑیے کہ مچل جائیں اشکِ غم
کُل زندگی کا راز مری چشمِ تر میں ہے

بے اختیار ہو گئے سجدے جبین میں
کیا نقشِ پا کسی کا اسی رہگذر میں ہے

آئیں گے وہ سُنا ہے کبھی ساتھ غیر کے
لیکن ابھی سے حشر کا ساماں نظر میں ہے

لِللہ رُخ سے زُلفِ پریشاں ہٹائیے
مدت سے شامِ ہجر اُمیدِ سحر میں ہے

بے اختیار آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
سمجھا تھا میں کہ بات ابھی گھر کی گھر میں ہے

آسیؔ دلِ غریب ہے امید و بیم میں
اک کشمکش سی درد میں اور چارہ گر میں ہے

اے جوشِ جنوں کچھ ترا احسان نہیں ہے
دامن کو بچایا تو گریبان نہیں ہے

اب درد بھی منت کشِ درمان نہیں ہے
اور دل بھی کسی غم سے پریشان نہیں ہے

پیتا ہوں نگاہوں سے نگاہوں کو ملا کر
وہ آپ پلائیں مجھے ارمان نہیں ہے

دیکھا تھا اُنھیں حدِ نظر سے بھی گزر کر
اب حدِ نظر کا کوئی امکان نہیں ہے

پایا ہے سکوں درد کی منزل سے گزر کر
اس میں تو کوئی آپ کا احسان نہیں ہے

ہوتے ہیں ابھی سے وہ جفاؤں سے پشیماں
دُنیا ہے کوئی حشر کا میدان نہیں ہے

دیکھیں گے جسے آپ کوئی زخم جگر ہے
یہ درد ہے جس کی کوئی پہچان نہیں ہے

کیوں آج سرِ راہ تڑپنے لگے سجدے
ہر نقشِ قدم تو مرا ایمان نہیں ہے

ویران نگاہیں جو پریشان ہیں آسی
شیرازۂ ہستی تو پریشان نہیں ہے

کوئی اپنا نہیں سب ہیں پرائے
خوشی بھی اور غم بھی آزمائے

اسی اُمید پہ آنسو بہائے
کبھی تو زندگی پھر مُسکرائے

رہی یہ زندگی افسانہ بن کر
نہ یہ دن زندگی کے راس آئے

مری بربادیوں پر شاد ہو کر
ستارے آسماں پر مُسکرائے

وہ آئے تو مگر چیں بر جبیں سے
خوشی نے زندگی کے غم منائے

سمجھ لی سب حقیقت زندگی کی
بہت دن زندگی کے آزمائے

نشاطِ زندگی قربان آسی
غموں کی زندگی پھر لوٹ آئے

یوں ہی پابندِ سلاسل ترا سودائی ہے
زُلف بھی حلقۂ زنجیر نظر آئی ہے

اے جنوں خیر ہے کیوں بادیہ پیمائی ہے
کیا خزاں لیکے بہاروں کا پیام آئی ہے

غم کے انداز چھپائے سے کہیں چھپتے ہیں
نگہِ یاس نے جینے کی قسم کھائی ہے

ڈھونڈتی ہیں مری نظروں کو نگاہیں اُنکی
کیا نظر حُسن کی تصویر اُٹھا لائی ہے

دل ہوا حُسن پہ قربان مگر میں بدنام
مُفت میں غیر کی تہمت مرے سر آئی ہے

کوئی ارمان بھی اب پاس نہیں آتا ہے
ہر تمنا دلِ مایوس سے گھبرائی ہے

ہو گئی سینۂ آسی میں قیامت برپا
کس قدر حشر بداماں تری انگڑائی ہے

یہ حسن ہے عاشقی نہیں ہے — یہ موت ہے زندگی نہیں ہے
جو بات ہے آہ آتشیں ہے — وہ شعلۂ طور کی نہیں ہے
حسرت ہے ملے شرابِ وحدت — اس مے میں خلل کوئی نہیں ہے
دینا ہو تو دے حیاتِ جاوید — یہ زندگی زندگی نہیں ہے
پائی ہے وہ زندگی کہ جس میں — جز رنج والم خوشی نہیں ہے
جو کچھ کبھی میں بک رہا ہوں آسی
جذبات ہیں۔ شاعری نہیں ہے

مشکل ہے میرے درد کا درماں ترے بغیر — ممکن نہیں ہے زیست کا ساماں ترے بغیر
ہر اشکِ غم ہے دیدۂ حیراں ترے بغیر — شیرازۂ وفا ہے پریشاں ترے بغیر
یہ زندگی ہے خوابِ پریشاں ترے بغیر — بزمِ تصورات ہے ویراں ترے بغیر
جانِ بہار تیرے قدم سے بہار تھی — پھیکا ہے آج رنگِ گلستاں ترے بغیر
بازارِ حسن و عشق کی ہیں سرد گرمیاں — اُجڑی ہوئی ہے بزمِ حسیناں ترے بغیر
وابستہ کرم پہ جو گذری نہ پوچھیے — یہ زندگی ہے موت مری جاں ترے بغیر
جب تم نہیں سکون کی صورت کہاں نصیب — اجزائے دل ہیں آج پریشاں ترے بغیر
اے رحمتِ تمام ادھر بھی نگاہِ لطف — اک پیکرِ وفا ہے پریشاں ترے بغیر
جوشِ جنوں میں جامہ دری کا ہے مشغلہ
آسی ہے تیرا چاکِ گریباں ترے بغیر

میری خدمت گزاریاں نہ گئیں ——— اُن کی غفلت شعاریاں نہ گئیں
نہ گئیں اشک باریاں نہ گئیں ——— میری اختر شماریاں نہ گئیں
جان تک نذر کی محبّت میں ——— پھر بھی بے اعتباریاں نہ گئیں
راز کہتے نہیں حضور کے کچھ ——— آپ کی پردہ داریاں نہ گئیں
شکر ہے درد میں کمی نہ ہوئی ——— دل گیا بے قراریاں نہ گئیں
ہوں وہ ثابت قدم محبت میں ——— مٹ گیا رازداریاں نہ گئیں

لاکھ صدمے اُٹھائے آسیؔ نے
بے وفاؤں سے یاریاں نہ گئیں

حال معلوم تھا کیا اس دل سودائی کا ——— سامنا حشر میں ہے حسن کی رسوائی کا
دیکھیے رنگ یہ کیا لائے بہار آنے تک ——— ہاتھ رہتا ہے گریبان پہ سودائی کا
دل میں در آیا ترا تیر نظر خوب ہوا ——— راستہ کھول دیا صبر و شکیبائی کا
دل کے ارمانوں میں اک حشر سا ہوتا ہے بپا ——— کچھ تو انداز بدل دیجیے انگڑائی کا
غم سے آباد ہے ہر وقت مری بزم خیال ——— تم نے بدلا ہے زمانہ شب تنہائی کا
کھینچ لے سنگِ درِ یار کو آغوش حسیں ——— جب حقیقت میں ہے کچھ لطف جبیں سائی کا
پھینک دے توڑ کے آئینہ کو ورنہ خود بیں ——— باطل اب ہوتا ہے دعویٰ تری یکتائی کا

آئینہ پیشِ نظر اُن کے ہے ہر دم آسیؔ
شوق آنکھوں سے ٹپکتا ہے خودآرائی کا

گلُ بداماں ہے نظر آپ کے دیوانوں کی
دھجّیاں نام کو باقی نہیں دامانوں کی

اشک شوئی کے لئے بے سروسامانوں کی
دھجّیاں تک نہیں باقی ہیں گریبانوں کی

نگراں گردشِ تقدیر ہے دیوانوں کی
فکر تدبیر ہی دُشمن ہوئی ارمانوں کی

روز سُنتے ہیں کہ آئے گی کہیں آئے بہار
پھر ذرا دیکھئے تقدیر گریبانوں کی

کرکے اقرارِ وفا حسُن کی فطرت کے خلاف
تم تو تقدیر بدل دیتے ہو ارمانوں کی

یہ بھی اعجازِ جنوں تھا کہ خیال آتے ہی
پھر گئی شکل نگاہوں میں بیابانوں کی

گلبدن غنچہ دہن منہ سے لگا لیتے ہیں
ساقیا خوب ہے قسمت ترے پیمانوں کی

آخری سانس ہے رُودادِ وفا سُن لیجئے
ختم اب شرح محبّت بھی ہے افسانوں کی

تیرے ہوتے ہوئے ساغر نہ صراحی کی کمی
بات کچھ اور ہے ان نرگسی پیمانوں کی

شمع جلتی ہے تو پاتے ہیں حیاتِ ابدی
صرف تشکیل بدل جاتی ہے پروانوں کی

تیرا آسیؔ نہ اسیری میں بھی پابند رہا
خاک چھانی ہے تصوّر میں بیابانوں کی

سکونِ دل میں، میرے شورشِ سوزِ نہاں رکھدی
نظر نے آپکی گویا کہ دُنیا دِ فغاں رکھدی

ستم دیکھو مرے صیاد نے میرے ستانے کو
قفس کے پاس ہی بیجا کے شاخِ آشیاں رکھدی

بدستورِ زباں بندی طریقِ ضبطِ اُلفت نے
دہکتی ایک چنگاری درونِ جسم وجاں رکھدی

ہوئی سیدھی بہار آئی پھری کنج قفس دیکھا
نظر پر باغباں کی ہم نے شاخِ آشیاں رکھدی

خموشی سے بڑھائیں ہم نے ضبطِ غم کی تاثیریں
بدل کر ہمّتِ عالی سے یوں طرزِ فغاں رکھدی

خلوصِ ذوق میں حسُنِ عمل پنہاں ہے اَے زاہد
بنا کعبہ کی ڈالی خود جبیں ہم نے جہاں رکھدی

بڑھا کر لفظ ناکامی مری رُوداد الفت میں
بدل کر ایک فقرے ہی نے ساری داستاں رکھدی

کرم کے بعد یہ شانِ تغافل اُف رہی نیرنگی
دلِ آسی کی دُنیا ہی بدل کر جانِ جاں رکھدی

جاتا ہوں کوئے قاتل کی طرف
ہے بارشِ پیکاں دل کی طرف

آیا ہوں کسی اُمید پہ میں
ہو چشمِ کرم سائل کی طرف

ارماں ہیں مرے لاکھوں دل میں
اک تیر چلا دو دل کی طرف

آسانیوں کا منہ تکتا ہوں
پڑتے ہیں قدم مشکل کی طرف

ممکن ہی نہیں دیکھوں نہ اُدھر
دل اُن کی طرف ہیں دل کی طرف

جب دل میں وہ ہوتے ہیں جلوہ فگن
تکتا ہوں اُسی محمل کی طرف

ہو خیر ہیں کیوں ابرو پہ بل
کیوں دیکھ رہے ہو دل کی طرف

کشتیِ محبت جا پہونچے
اُمید نہیں ساحل کی طرف

ہیں حسن و محبت میں پنہاں
دل دیکھ رہا ہے دل کی طرف

مشتاق بہت ہیں ارماں آسی
آجائیں وہ بزمِ دل کی طرف

دو طرفہ لگی کا اثر دیکھتا ہوں — وہ میری مَیں اُن کی نظر دیکھتا ہوں
ادا دیکھتا ہوں نظر دیکھتا ہوں — میں بربادیٔ دل کے گھر دیکھتا ہوں
نگاہِ کرم کا اثر دیکھتا ہوں — کہ ہر غم غمِ معتبر دیکھتا ہوں
نہیں چاہتا ہوں نظر بھی اُٹھانا — نہیں دیکھتا ہوں مگر دیکھتا ہوں
تری زُلف میں دل کو اُلجھا کے ظالم — ہجومِ بلا کا اثر دیکھتا ہوں
سنبھالو سنبھالو نگاہوں کو اپنی — کہیں آج زخمِ جگر دیکھتا ہوں
وہ سب کچھ جو ہے حسن میں جلوہ فرما — میں اپنے ہی میں جلوہ گر دیکھتا ہوں
سکوں جب میں پاتا ہوں دنیائے دل میں — تو گھبرا کے اُن کی نظر دیکھتا ہوں
میری کشتیٔ دل ہے طوفانِ غم میں — کنارہ نہیں ہے جدھر دیکھتا ہوں
عجب خوابِ غفلت ہے یہ خوابِ ہستی — کہ میں جاگ کر عمر بھر دیکھتا ہوں
خیالِ جنوں میں جنوں اب نہیں ہے — میں صحرا کو بھی اپنا گھر دیکھتا ہوں
ترے سامنے آکے کس کو خبر ہے — کہ کیا دیکھتا ہوں کدھر دیکھتا ہوں
محبت سے پڑتی ہیں جس شے پہ نظریں — اسی کو حسیں سربسر دیکھتا ہوں

محبت کی دُنیا بھی کیا شے ہے آسی
فضاؤں میں جس کا اثر دیکھتا ہوں

★

ٹھکرا نہ اسے بسمل ہی تو ہے — گو درد بھرا ہے دل ہی تو ہے
بے وجہ نہیں ہے اُن کا کرم — اس درد کا کچھ حاصل ہی تو ہے
بے چین ہے تو بھی جس کے سبب — او بانیٔ شر وہ دل ہی تو ہے
اشکوں سے ہو یوں دامن رنگیں — کچھ خونِ جگر شامل ہی تو ہے
گو لاکھ کرے پیمانِ وفا — قاتل پھر بھی قاتل ہی تو ہے
آسیؔ تو اور جلوے اُن کے
دیکھے جو اِدھر بسمل ہی تو ہے

★

نگاہِ پُر خمار ہے — بہار پر بہار ہے
کسی کے تیرِ ناز کا — دلِ حزیں شکار ہے
نہیں وہ آئیں گے کبھی — یہ دل کو اعتبار ہے
یہ اُن کی بے سبب نہیں — نگاہ شرمسار ہے
یہ آج کیوں کسی طرح — نہیں مجھے قرار ہے
سمجھ کے ان کو بے وفا — اُنھیں پہ اعتبار ہے
نہیں ہے آسیؔ ان پہ گر
تو دل پہ اختیار ہے

★

کیفیتِ سرورِ دل و جاں تمھیں تو ہو
آنکھوں کے میری نُور کا ساماں تمھیں تو ہو
کیونکر کہوں کہ درد کا درماں تمھیں تو ہو
اس مختصر سی زیست کا عنواں تمھیں تو ہو

سینے میں دل ہے دل میں مری جاں تمھیں تو ہو
ظُلمت کدہ میں طور کا ساماں تمھیں تو ہو
آئینۂ جمال کو دیکھو نہ اس طرح
جلوؤں کو دیکھ دیکھ کے حیراں تمھیں تو ہو

اٹھو نظر اُٹھا کے جدھر دیکھتا ہوں میں
آنکھوں کا میری خوابِ پریشاں تمھیں تو ہو
سینہ کے زخم جنبشِ مژگاں سے کھُل گئے
کیونکر کہوں کہ رازِ گلستاں تمھیں تو ہو

آسی کہ جی رہا ہے تمھارے ہی واسطے
القصّہ اُس کی زیست کا ساماں تمھیں تو ہو

مجھے یاد ہے مسکرانا کسی کا — وہ برقِ تبسم گرانا کسی کا
مری زندگی کو بنانا کسی کا — زمانے کا دامن بچانا کسی کا
مجھے غم کا خوگر بنانا کسی کا — مرا ضبطِ غم آزمانا کسی کا
مرے کعبۂ دل کو ڈھانا کسی کا — چراغِ حرم کو بجھانا کسی کا
وہ بکھرائے زلفوں کو آنا کسی کا — ہجومِ بلا میں پھنسانا کسی کا
نہ سمجھا میں اب تک یہی رازِ گلشن — کہ ہر گل ہے نازک فسانا کسی کا
سناتا ہوں یوں قصۂ غم میں اُن کو — کہ کہتا ہوں گویا فسانا کسی کا
جبینِ عقیدت جھکے گی وہیں پر — نہ چھوٹے گا اب آستانا کسی کا
مھیں گیا خیر ہے ان آنکھوں سے پوچھو — ہر اک اشکِ غم ہے فسانا کسی کا

لپٹنا مرا رو کے دامن سے آتی
وہ جھنجلا کے دامن چھڑانا کسی کا

جس دن سے تمھیں کوئی خفا دیکھ رہا ہے
بدلی ہوئی دُنیا کی فضا دیکھ رہا ہے

اک وہ ہے کہ تم جس کے تصور سے ہم آغوش
اک وہ ہے کہ اندازِ جفا دیکھ رہا ہے

ملائے وہ کیا آپ کو جو محوِ ادا ہے
کیا آپ میں پوشیدہ ادا دیکھ رہا ہے

آنکھوں سے ملائی ہی نہیں اسکی خبر کچھ
حیرت سے کوئی لغزشِ پا دیکھ رہا ہے

کل اپنا تھا آج اُن کا ہوا یہ دلِ ناداں
کچھ یہ بھی زمانے کی ہوا دیکھ رہا ہے

کیونکر نہ ہو ممنونِ کرم آپ کا آسی
جب درد کی لذت کو سوا دیکھ رہا ہے

★

مریضِ غم سے اپنے بے خبر ہے
مسیحا بے خبر آ کر کدھر ہے

خدائی آپ کے زیرِ اثر ہے
نظر پر آپ کی شام و سحر ہے

حرم اور دیر دونوں پر نظر ہے
ابھی لغزش میں پائے رہگزر ہے

ابھی وہ کیا خبر آئیں نہ آئیں
ابھی تو انتظارِ نامہ بر ہے

خبر کچھ لیجئے اب دردِ دل کی
ابھی تو صرف تسکینِ نظر ہے

سلامت ہیں ابھی جیب و گریباں
بہار آئی دزدیدہ نظر ہے

ہٹا دو رُخ سے اب زُلفِ پریشاں
شبِ تاریک تو تاریک تر ہے

ہماری زندگی مانوسِ غم ہے
ہماری آہ مایوسِ اثر ہے

ہوئے کیا آج پیمانِ محبت
نظر اب تو بآغوشِ نظر ہے

نہ منزل ہے نہ میرِ کارواں ہے
کسی کی یاد اپنی ہم سفر ہے

محبت ہی بنائے دو جہاں ہے — محبت ہی حجابِ درمیاں ہے
نہ اب غم ہے نہ غم کی داستاں ہے — محبت کی نظر جانے کہاں ہے
کھٹک ہے درد ہے سوزِ نہاں ہے — یہی بس حاصلِ عمرِ رواں ہے
کب اپنا حال محتاجِ بیاں ہے — نگاہِ یاس غم کی ترجماں ہے
نہ دیکھیں آپ اِس داغِ الم کو — یہی بربادیٔ دل کا نشاں ہے
ڈبوئی ہے انہی نے کشتیٔ دل — یہی دریا جو آنکھوں سے رواں ہے
نگاہِ برق میں بربادیاں ہیں — مری نظروں میں میرا آشیاں ہے
محبت ہو کہ تاثیرِ محبت — کوئی شے ہے کہ رگ رگ میں رواں ہے
سمجھتے ہیں جسے سب تجھ پہ مٹنا — حقیقت میں حیاتِ جاوداں ہے
جبینِ شوق کو سجدوں سے مطلب — نہیں مطلب کہ کس کا آستاں ہے
محبت اور لفظ آرزو سے — مرتب ساری غم کی داستاں ہے
میں دیوانہ تو ہوں نہ داں سے ہوں دُور — مری ہستی بقیدِ جسم و جاں ہے

مرے افسانۂ ہستی کا عنواں
زمانے بھر کی آتی داستاں ہے

★

ادا ہائے انتقامِ محبت — نظر دے رہی ہے پیامِ محبت
نہ صبحِ محبت نہ شامِ محبت — فقط نام کو اب ہے نامِ محبت
یہی ہے یہی ہے نظامِ محبت — تڑپتے رہیں تشنہ کامِ محبت
وہی دن تو تھا اک نئی زندگی کا — کہ جس دن مٹا دل بنامِ محبت
نظر ان کی درسِ فنا دے رہی ہے — بدلنے کو ہے اب نظامِ محبت
نہ بکھراؤ زلفوں کو یوں اپنے رخ پر — نہ دکھلاؤ للہ شامِ محبت
مٹا جا رہا ہے مرا نقشِ ہستی — ترحم ترحم خرامِ محبت
مری کیف و مستی نے دنیا بدل دی — بدلتا رہے اب نظامِ محبت

جیا بھی تو نامِ محبت کی خاطر
مٹا بھی تو آسی بنامِ محبت

★

غم کے خوگر بنائے جاتے ہیں — یوں بھی ہم آزمائے جاتے ہیں
آپ جتنا بھلائے جاتے ہیں — اور بھی یاد آئے جاتے ہیں
میری ہستی مٹائے جاتے ہیں — میری قسمت بنائے جاتے ہیں
اف ری دشواریٔ رہِ الفت — اب قدم ڈگمگائے جاتے ہیں
جو مقدر میں تھے نشیب و فراز — سب وہی پیش آئے جاتے ہیں
تابِ نظارہ اف معاذ اللہ — اب تو ہم تلملائے جاتے ہیں

ہو گئے کس کے مبتلا آسی
غم کے انداز پائے جاتے ہیں

پڑ رہی ہے نگاہ قاتل کی
جان پر بن رہی ہے بسمل کی

کب سے دُنیا بدل گئی دل کی
بات ہے آپ کے مقابل کی

سامنے آئینے کے بیٹھے ہیں
کشمکش میں ہیں زعمِ باطل کی

پہلے یہ زندگی تلاطم تھی
اب تو کچھ زندگی ہے ساحل کی

ان کی تسکین ایک قیامت تھی
اور حالت بگڑ گئی دل کی

کچھ تو اُن کی نگاہ کے ہیں کرم
کچھ شرارت ہے حضرتِ دل کی

وہ جو محوِ خرام ناز ہیں آج
آمد آمد ہے حشرِ کامل کی

آپ اور آئیں بزمِ دل میں کبھی
یہ عنایت ہے جذبِ کامل کی

وہ نگاہیں تھیں یا بہار آئی
کھل گئی ہے کلی کلی دل کی

نگاہِ ناز جتنی کیف ساماں ہوتی جاتی ہے
طبیعت اور بھی زائد پریشاں ہوتی جاتی ہے

مدد کر یہ مدد کا وقت ہے اے تابِ نظارہ
کہ اب تو ہر نظر جلووں میں پنہاں ہوتی جاتی ہے

ابھی جوشِ جنوں کیسا بہارِ گلستاں کیسی
ابھی تو ہر کلی کھل کر گلستاں ہوتی جاتی ہے

خدا شاہد ہے جس نے کی عنایت کفر سامانی
اُسی کی یاد بھی اب جزوِ ایماں ہوتی جاتی ہے

بڑھیں کچھ وسعتیں ایسی پریشانیٔ خاطر کی
پریشاں خاطری بھی اب پریشاں ہوتی جاتی ہے

وہی دُنیا کہ جس میں لطف تھا صبحِ مسرت کا
وہی دُنیا مری اب شامِ ہجراں ہوتی جاتی ہے

وہی پابندیِ رسمِ محبت ہے وہی ہم ہیں
مگر ہر آہ غم نیشِ رگِ جاں ہوتی جاتی ہے

ہوا ہے رابطہ خونِ جگر سے چشمِ گریاں کا
کسی کی یاد بھی گلشن بداماں ہوتی جاتی ہے

خیالِ خام ہیں آسی سکونِ دل کی تدبیریں
کہ جب اپنی ہی ہستی دشمنِ جاں ہوتی جاتی ہے

★

نگاہِ ناز کیا اثر پا رہی ہے
مری دُنیا بدلتی جا رہی ہے

محبت پھر کرم فرما رہی ہے
وہی صُورت نظر پھر آ رہی ہے

تمہارے نام سے ہے دل کو تسکیں
تمہاری یاد دل بہلا رہی ہے

محبت ہو کہ ہو غم کی عنایت
کوئی شے زندگی گرما رہی ہے

وہ جتنے بن رہے ہیں چارہ فرما
طبیعت اُتنی گرتی جا رہی ہے

وہ چلنا چاہتے ہیں جس روش پر
تبسم ہر کلی بکھرا رہی ہے

بڑھا جاتا ہوں ضبطِ غم کی حد سے
طبیعت خود بخود گھبرا رہی ہے

کرم کے بعد یہ شانِ تغافل
لبوں پہ جانِ مضطر آ رہی ہے

ہمارے حالِ دل کا پوچھنا کیا
شگفتہ اک کلی مُرجھا رہی ہے

نظر ملتے ہی وہ کیا شے ہے آسی
جو رگ رگ میں سمائی جا رہی ہے

کیا جانے کیا اثر نگہِ فتنہ گر میں ہے
اک مستقل سا درد ہمارے جگر میں ہے

تم کو خبر نہیں ہے مجھے کیا بنا دیا
جو کچھ میں بن گیا ہوں وہ میری نظر میں ہے

میں کیوں فریب خوردۂ ہستی بنا رہوں
دُنیا کا ہر فریب تو میری نظر میں ہے

تو جس کی بھی نظر میں ہے اے جانِ انبساط
گویا سکون و عیش کی دُنیا نظر میں ہے

طے کر رہا ہوں یوں بھی محبت کی منزلیں
خطرہ سمجھ رہا ہوں رہِ پُر خطر میں ہے

قربان جس پہ ہو گئیں دل کی مسرتیں
وہ جنبشِ لطیف تمہاری نظر میں ہے

اک دل کہ جس پہ ناز تھا آسی کو اس قدر
میں دیکھتا ہوں وہ بھی تمہاری نظر میں ہے

بن گئے ارمان نشتر قلبِ مضطر کے لئے
ہو گئی اک حشر سامانی بھرے گھر کے لئے

کھینچ مت دل سے مرے اے چارہ گر پیکانِ یار
اسکو رہنے دے سکونِ قلبِ مضطر کے لئے

کی تواضع انکے پیکاں کی جگر کے خون سے
آبلے دل کے بچا رکھے ہیں نشتر کے لئے

یاس کو خونِ تمنا تختِ دل سے کیا غرض
کچھ تو رہنے دے سکونِ قلبِ مضطر کے لئے

زندگی اب کروٹیں لیتی ہے در پردہ نظر
اب تو آجاؤ کسی صورت سے دم بھر کے لئے

حشر تو اک ہو گیا برپا خرامِ ناز سے
رہ گئی کیا بات باقی روزِ محشر کے لئے

آپ آجائیں کہ اب ذوقِ نظر بےچین ہے
کچھ تو تسکینِ نظر ہو جائے دم بھر کے لئے

بے نیازِ ہوش ہے آسی کا اب ذوقِ سجود
وقف ہے اب یہ جبینِ شوق ہر در کے لئے

★

کیا حال کہوں مجکو اب کیا نظر آتا ہے
تصویر کے ہر رخ سے جلوہ نظر آتا ہے

آرائشِ گلشن تھی میرے ہی نشیمن سے
اب صحنِ گلستاں بھی اجڑا نظر آتا ہے

وعدہ کیا ملنے کا محشر میں تسلی کو
اور حشر کے ہونے میں عرصہ نظر آتا ہے

آئے ہیں عیادت کو بیٹھے ہیں پریشاں سے
تصویرِ خیالی سے دھوکا نظر آتا ہے

آرائشِ محفل تھی یا خوابِ پریشاں تھا
آنکھوں کو مری ابتک دھوکا نظر آتا ہے

بدلی ہوئی نظریں ہیں بدلے ہوئے تیور ہیں
بدلا ہوا عالم کا نقشہ نظر آتا ہے

زخمِ دلِ آسی کو حاصل ہو شفا جس سے
واللہ وہی مجکو عیسیٰ نظر آتا ہے

دل وہی جو ہدفِ ناوکِ مژگاں ہوجائے
مصرفِ جاں ہے وہی آپ پہ قرباں ہوجائے

تیر دل میں زہے قسمت کہ جو مہماں ہوجائے
میری حسرت مرا ارماں مری جاں ہوجائے

حُسن وہ حُسن ہے غارت گرِ ایماں کی قسم
دیکھ لے کُفر اگر صاحبِ ایماں ہوجائے

پھر مری جاں اُسی انداز سے چھیڑو دل کو
پھر وہی سلسلۂ جنبشِ مژگاں ہو جائے

زلف کی طرح نہ بن بن کے بگڑیے للّٰلہ
کہیں مجموعۂ خاطر نہ پریشاں ہو جائے

جا بجا کرتی ہیں خوننابہ فشانی آنکھیں
اِنھیں دو پھولوں سے آرائشِ زنداں ہوجائے

خوں شدہ دل کا جو افسانہ لکھوں میں آسی
سُرخیٔ لب سے تری زینتِ عنواں ہوجائے

ملار

٭

موسمِ برسات میں جب یادِ دلبر آئے ہے
کائناتِ بزمِ دل زیر و زبر ہو جائے ہے
دیکھ کر اودی گھٹا مُنہ کو کلیجہ آئے ہے
میری چشمِ خونفشاں گلہائے تر برسائے ہے

اے سکھی کس سے کہوں جب جی مرا گھبرائے ہے
جسقدر تسکین دو دل کو تڑپتا جائے ہے
ہر طرف رنگیں بہاریں ہیں چمن میں گلفشاں
ایسے موسم میں کلی دل کی مرے مُرجھائے ہے

پھر اُٹھیں کالی گھٹائیں پھر ہوا دل بے قرار
پھر ہماری چشمِ تر لعل و گہر برسائے ہے
آ پپیہے غم سے وابستہ تری تقدیر ہے
خوگرِ غم ہے مرا دل غم سے لذّت پائے ہے

کیوں ہیں آسی بے اثر آئیں دُعائیں رائگاں
بیکسوں کی آہ پتھر پر اثر کر جائے ہے

محبت نے بدلا نظامِ زمانہ — جنوں خیزیوں کو ملا اک بہانا
نظر ملتے ہی یک بیک چوٹ کھانا — بس اس کے سوا کچھ نہ سمجھا نہ جانا
نہ پایا انھیں جہاں مارا زمانا — نظر ڈھونڈھتی ہے نظر کا نشانا
غموں کی فراوانیوں پر نہ جانا — جو دل بیٹھتا ہو تو تم مسکرانا
تصور کی رنگینیاں اللہ اللہ — سمٹ آیا نظروں میں گذرا زمانا
ابھی زندگی کروٹیں لے رہی ہے — ابھی نا مکمل ہے اپنا فسانا
سمجھتے ہیں سب یہ کہ میرا ہی غم ہے — مگر آپ پر ہے نگاہِ زمانا
زبانِ محبت تھی خاموش لیکن — نظر کہہ گئی سب نظر سے فسانا
مجھے اس ترے سنگِ در کی قسم ہے — مقدر مجھے ہے یہیں آزمانا
کشش کوئی کھینچے لئے جا رہی تھی — قدم پڑ رہے تھے مرے والہانا

ابھی اشکِ غم ہیں پئے جاؤ آسی
نہ بن جائیں دامن پہ آکر فسانا

ان کو کیوں دیکھا تھا یہ الزام ہے میرے لئے
زندگی اب وجہ ننگ و نام ہے میرے لئے

ہر ستم ہر گردشِ ایام ہے میرے لئے
اَب تو کچھ ایسی ہی صبح و شام ہے میرے لئے

ان کی خاموشی میں بھی ہے رازِ گویائی نہاں
دل کی ہر دھڑکن نیا پیغام ہے میرے لئے

زندگی کو میں سمجھتا تھا ابھی تک زندگی
اَب تو لیکن موت کا پیغام ہے میرے لئے

یاد آتی ہے بہاروں کی وہ صبحِ آشیاں
اب تو قسمت میں قفس کی شام ہے میرے لئے

ہو رہا ہے سینۂ مشرق سے اندازِ سحر
ہر سحر آئینہ دارِ شام ہے میرے لئے

زندگی بجھتی کسی نے دے کے دامن کی ہوا
اَب حیاتِ جاوداں بدنام ہے میرے لئے

زلف سے چھن چھن کے پھیلی ہیں شعاعیں حسن کی
صبح بھی آتی بقیدِ شام ہے میرے لئے

کہتے ہیں جس کو موت کی منزل حیات ہے
دُنیا کا اختلافِ نظر اور بات ہے
محسوس کر رہا ہوں اُداسی سی ہر طرف
شاید میری نگاہ غمِ کائنات ہے

اَب جس کو دیکھتا ہوں وہ اپنا نہیں رہا
تم بھی بدل گئے یہ مقدر کی بات ہے
اک چوٹ بھی جو دل کی پُرانی اُبھر گئی
وہ یہ سمجھ رہے ہیں ابھی کل کی بات ہے

اس کو سمجھ سکے نگہِ ناشناس کیا
یہ تو نگاہِ حُسن و محبّت کی بات ہے
تم تھے خدائے حُسن تو وہ اور بات تھی
سجدہ کیا جو تم کو تو یہ اور بات تھی

بیگانگی سی ہے نگہِ التفات میں
دُنیا کا کچھ خیال ہے کچھ دل کی بات ہے
جب تم تھے سامنے تو ہر اک شب تھی روزِ عید
اَب تم نہیں تو دن بھی نگاہوں میں رات ہے

آسیؔ تیری نگاہ اِسے کیا سمجھ سکے
یہ تو جگر کی چوٹ نگاہوں کی بات ہے

دل نہ ہو غم سے پریشان بڑی مشکل ہے
غم کے خوگر تری یہ آن بڑی مشکل ہے
ہر ادا کفر کا سامان بڑی مشکل ہے
اور وہ رہزن ایمان بڑی مشکل ہے

مل گئے خاک میں ارمان بڑی مشکل ہے
زندگی ہو گئی ویران بڑی مشکل ہے
کوئی آنے کو ہے تسکین و تسلّی کے لئے
ہر قدم حشر کا سامان بڑی مشکل ہے

کل جو اپنا تھا وہی آج ہوا دل اُن کا
اب تو اپنے کی بھی پہچان بڑی مشکل ہے
یوں تو رویا کیا ویرانیٔ دل پر اکثر
اب نگاہیں بھی ہیں ویران بڑی مشکل ہے

بڑھ گئی اور پریشانیٔ خاطر اپنی
زلف ہوتی ہے پریشان بڑی مشکل ہے
ہر ارادہ ہے مرا گردشِ تقدیر کے ساتھ
اب تو ہر بات بھی آسان بڑی مشکل ہے

کشتیٔ زیست کو اندازۂ ساحل نہ رہا
ناخدا بھی ہے پریشان بڑی مشکل ہے
فصلِ گل جیب نہ داماں نہ گریباں آستی
اور باقی ابھی ارمان بڑی مشکل ہے

ہنس رہا ہوں مگر آنکھ تر ہے
کیا خوشی بھی غمِ معتبر ہے

زندگی کو غمِ چارہ گر ہے
بے سبب تو نہیں آنکھ تر ہے

ہر دوا بے نیازِ اثر ہے
جب سے بدلا ہوا چارہ گر ہے

حسن کیا ہے نگاہوں کا دھوکا
ہر نظر اک فریبِ نظر ہے

آج دنیا بدلتی ہے دل کی
جانے والے تجھے بھی خبر ہے

کشتیٔ دل ابھی ہے سلامت
کیا یہ طوفانِ غم بے اثر ہے

سارا بدلا ہوا ہے زمانہ
بدلی بدلی جو اُن کی نظر ہے

وہ گئے کیا نگاہیں ہیں ویراں
اور اُجڑا ہوا سارا گھر ہے

اُٹھ گیا اعتبارِ محبت
اب کسے اعتبارِ نظر ہے

بات وہ ہے نگاہوں میں اُن کی
جس سے دُنیا ابھی بے خبر ہے

کون آیا ہے بالیں پہ میری
زندگی کچھ تجھے بھی خبر ہے

لطف کیا ایسے جینے کا آسی
زندگی بے سہارا اگر ہے

کٹی جس طرح سے شبِ غم ہماری سمجھتے ہیں اس کو شبِ غم کے مارے
فراوانیٔ غم تھی مایوسیوں میں تسلّی دیے جا رہے تھے سہارے

سمجھتا ہوں وجہ محبّت ہے یہ غم اسی سے محبّت کی دنیا ہے قائم
اسی سے ہے برہم نظامِ دو عالم جیے جا رہے ہیں اِسی کے سہارے

بساطِ محبّت پہ ہیں سب برابر لگائی ہے بازی اُلفت دلوں پر
یہ ہے ہارنا جیتنے کے برابر نہ تم داؤں جیتے نہ ہم داؤں ہارے

عطا جو کیا آپ نے سوزِ پنہاں چھپایا اُسے ہم نے تا حدِ امکاں
لگائی ہے جیسے بجھاؤ بھی آ کر کہ آہوں میں پیدا ہوئے ہیں شرارے

سمجھتے تھے جن کو کہ ہیں جاں سے پیارے نچھاور کیے جن پہ ارمان سارے
ہوئے جب نہ قسمت سے وہ بھی ہمارے بتاؤ جیے کوئی کس کے سہارے

نہ تھی کوئی منزل نہ تھا کوئی رہبر حکومت جنوں کی تھی آسی کے دل پر
چلا جا رہا تھا وہ با حالِ مضطر نگاہوں کے تھے غائبانہ اشارے

کبھی تسکیں وہ دیتے ہیں کبھی دل میں بٹھاتے ہیں
نظر جب پھیرتے ہیں عہد و پیماں بھول جاتے ہیں
نوازش ہائے پیہم پر بھی اکثر بھول جاتے ہیں
محبت کو اسی صورت سے شاید آزماتے ہیں

وہاں ہر بات پر تیور بدل کر روٹھ جاتے ہیں
یہاں پائے طلب ہر ہر قدم پر ڈگمگاتے ہیں
چلاتے ہیں وہ نشتر زخم دل سب مسکراتے ہیں
سمجھتے ہیں جنھیں وہ آبلے ناسور پاتے ہیں

تبسم پر کسی کے ہوں مری بربادیاں صدقے
مری بربادیوں کو دیکھ کر وہ مسکراتے ہیں
بپا کرنے کو ہیں کیا حشر وہ مستانہ چالوں سے
الٰہی خیر اب آثار محشر پائے جاتے ہیں

بھلانا چاہتا ہوں جس قدر میں عہد ماضی کو
تو آتی اتنے ہی گذرے زمانے یاد آتے ہیں

یا الٰہی یہ کیسی نظر ہے
چوٹ کھا کر بھی دل بے خبر ہے

ایک عالم فریبِ مسلسل
زندگی اک فریبِ نظر ہے

رنگ لائے گی محشر خرامی
غالباً یہ خبر معتبر ہے

ہٹ گئی رُخ سے زُلفِ پریشاں
کھُل گئی آنکھ دیکھا سحر ہے

بس وہیں سے ہے آغازِ اُلفت
ختم جس جا یہ حدِّ نظر ہے

غم کی تاریکیوں سے نہ گھبرا
ظلمتِ شب نویدِ سحر ہے

پھر رہا ہوں لئے زخمِ دل کا
بس یہی یادگارِ نظر ہے

آپ بربادیوں کو نہ پوچھیں
ساتھ ان کا تو اب عمر بھر ہے

دل تو پہلی نظر لے گئی ہے
زندگی پر بھی ان کی نظر ہے

ان کی زُلفیں بکھرتی ہیں رُخ پر
انتظامِ وداعِ سحر ہے

اب نہ پہلی نگاہوں میں دم ہے
اور نہ جلووں کی تابِ نظر ہے

آپ اپنی نگاہوں سے پوچھیں
میرا ہر غم غمِ معتبر ہے

وہ تصادم نگاہوں کا آتشی
یہ فسانہ بہت مختصر ہے

نہ اتنا ہوش ہے باقی نہ اب کچھ یاد آتا ہے
مٹا کر مجھکو خود میرا ہی دل آنسو بہاتا ہے

فراوانیٔ غم سے جب لبوں پر نام آتا ہے
نگاہیں ڈبڈباتی ہیں تبسم روٹھ جاتا ہے

محبت نے یہ سمجھایا کہ ایک ایسی بھی منزل ہے
پہونچ کر جس جگہ انسان سب کچھ بھول جاتا ہے

سکوں کے ساتھ احساسِ سکوں بھی ہو گیا رخصت
نہ اب دل مسکراتا ہے نہ اب آنسو بہاتا ہے

وہ کیا سمجھے کہ جس نے کی جنوں میں دشت پیمائی
یہ وہ منزل ہے جس میں خضر راہیں بھول جاتا ہے

نہ پوچھو لذتِ سوزِ نہاں کیا چیز ہے آسی
یہ وہ شے ہے جسے انسان سینے میں چھپاتا ہے

کوئی بیخود کوئی وحشی کوئی سودائی ہے
کس قدر ہوش رُبا تم نے ادا پائی ہے

پھر نئی شان سے اک تازہ بہار آئی ہے
پھر کوئی جذبِ محبت کا تماشائی ہے

اُٹھ گئے ہیں ترے صدقے میں حجاباتِ نظر
سارے عالم کی حقیقت مری تنہائی ہے

ہو رہی ہے سرِ ہر خار سے تکمیلِ جنوں
نامکمل سہی ابھی بادیہ پیمائی ہے

جب کبھی ہو گیا اندیشۂ انجامِ وفا
زندگی موت کا آغوش نظر آئی ہے

پائے جاتے ہیں ہر اک بات سے اندازِ حیات
دل نے شاید ترے دامن کی ہوا کھائی ہے

آج پایا ہے ترے در پہ سکونِ ابدی
آج ہی حسرت و ارماں کو بھی نیند آئی ہے

چاہتا ہوں کہ اُٹھیں دُور سے دیکھوں لیکن
یہ بھی ہستیِ نگہِ شوق کی رسوائی ہے

نظر ہے میری شامِ غم کی یوں غم ہائے پنہاں پر
پڑیں جیسے نگاہیں اک پریشاں کی پریشاں پر

ہنسی آتی ہے رہ رہ کر جنونِ فتنہ ساماں پر
حدِ جوشِ جنوں اور وسعتِ جیب و گریباں پر

چمک کر برق لہراتی ہے کیوں شاخِ نشیمن پر
نظر ہے چار تنکوں کے لئے شاید گلستاں پر

بسائی جا رہی ہے اک نئی دنیا محبت کی
ہوئی ہیں غم کی تعمیریں خیالاتِ پریشاں پر

نہ چھیڑ اے مطربِ شیریں نوا اس سازِ ہستی کو
نہ پڑ جائیں کہیں یہ انگلیاں تارِ رگِ جاں پر

ابھی باقی ہے شاید اور تعمیرِ جنوں آسی
نگاہیں پڑ رہی ہیں کیوں مرے چاکِ گریباں پر

کھٹک ہوتی ہے دل جب مائلِ فریاد ہوتا ہے
نہیں معلوم رہ رہ کر مجھے کیا یاد ہوتا ہے

ہوا خود وجہ بربادئ دل جوشِ جنوں اپنا
کہ دیوانہ تو رسم و راہ سے آزاد ہوتا ہے

بڑھا دے ہاں بڑھا دے کچھ مذاقِ سوزِ پنہاں کو
ہدا اے جذبِ دل ذوقِ نظر برباد ہوتا ہے

قفس میں ہے خیالِ آشیاں اپنا بہار اپنی
جہاں پر چاہتا ہے دل وہیں آزاد ہوتا ہے

بنا لیتا ہوں اشکِ خوں فشاں سے میں چمن آسیؔ
قفس میں رہ کے جب صحنِ چمن برباد ہوتا ہے

☆

نئی دنیا نئی راہیں نئی منزل نہ ہو جائے
بہاروں میں جنوں پرور مزاجِ دل نہ ہو جائے

محبت انتشارِ پردۂ محمل نہ ہو جائے
کہیں ہر ذرۂ دشتِ نجد کا خود دل نہ ہو جائے

تمہیں سے تو ہے وابستہ حیاتِ جاوداں اپنی
کہیں دل کی لگی انجام لاحاصل نہ ہو جائے

بچا لیتے ہیں وہ موجِ حوادث کے تلاطم سے
تلاطم میں کہیں اندازۂ ساحل نہ ہو جائے

توجہ چاہیئے تکلیف آسیؔ تا کجا آخر
کہیں یہ درد بڑھ کر فتنۂ کامل نہ ہو جائے

اُٹھتی ہے بار بار نظر کچھ نہ پوچھیے
یہ انقلابِ زیر و زبر کچھ نہ پوچھیے

ہر جنبشِ نگاہ تھی نشتر لیے ہوئے
پہونچی ہے کیسے تا بہ جگر کچھ نہ پوچھیے

محسوس ہو رہا ہے کہ دنیا بدل گئی
جب سے پھری ہے اُن کی نظر کچھ نہ پوچھیے

اس عالمِ خیال کا عالم ہی اور ہے
اس زندگی کی شام و سحر کچھ نہ پوچھیے

جیسی گزر رہی ہے عنایت ہے آپ کی
اچھا یہی ہے آپ اگر کچھ نہ پوچھیے

دیکھا تھا ایکبار کہ دُنیا بدل گئی
وہ اُن کی کامیابِ نظر کچھ نہ پوچھیے

اُن کی نگاہِ ناز مکمل بہار تھی
دیوانگی کا حسنِ نظر کچھ نہ پوچھیے

دیکھا کسی کو آپ کا دھوکا سا ہو گیا
آنکھوں کا اعتبارِ نظر کچھ نہ پوچھیے

وہ تصوراتِ رنگیں وہ ہجومِ غم کا مارا
تری زندگی کو شائد کوئی مل گیا سہارا

مری زندگی کے حاصل ترا غم ہے کب گوارا
سرِ نوکِ خارِ مژگاں وہ چمک گیا ستارا

مری زندگی سے پوچھو مری زندگی کا عالم
کہ جہانِ رنگ و بو میں نہ ملا کہیں سہارا

وہ نوازشِ شبِ غم وہ عطائے سوزِ پیہم
مجھے زندگی سے بڑھ کر غمِ زندگی ہے پیارا

مری زندگی ہے اُن کی مری ہر خوشی ہے اُنکی
کہیں ہو نہ جائے اُن پر مرا راز آشکارا

کٹی عمر اس طرح سے مری بحرِ غم میں آسیؔ
نہ ہے زندگی تلاطم نہ ہے زندگی کنارا

اُٹھی نظر بہار کا ساماں لیے ہوئے
نکلی جو آہ جنبشِ پیکاں لیے ہوئے

اب پھر رہا ہوں چاکِ گریباں لیے ہوئے
اُن کی نگاہِ لطف کا احساں لیے ہوئے

بیٹھا ہوں کچھ خیالِ پریشاں لیے ہوئے
جیسے کوئی حسین سا ارماں لیے ہوئے

دل میں ہجومِ یاس کا دریا ہے موجزن
ہر اشکِ غم ہے آنکھ میں طوفاں لیے ہوئے

آسان اور راہِ محبت کی منزلیں
ہر ہر قدم ہے گردشِ دوراں لیے ہوئے

کتنے حسیں تھے پہلے تصور کے سبز باغ
اب تو نظر ہے خوابِ پریشاں لیے ہوئے

یوں دیکھنے میں قصۂ عشقِ مجاز ہے
لیکن حقیقتوں کا ہے عنواں لیے ہوئے

جوشِ جنوں میں وہ مری ویرانیٔ خیال
گلشن میں ہوں خیالِ بیاباں لیے ہوئے

آتی ہوا ہے راہِ حقیقت پہ گامزن
لیکن نظر فریبیٔ دوراں لیے ہوئے

★

چھپا رکھا ہے اُن کی یاد کو یوں گوشۂ دل میں
کوئی پردہ نشیں ہو جس طرح آغوشِ محمل میں

ابھی تو ابتدا اے دل ہے انجامِ محبت کی
ابھی سے ڈگمگاتے ہیں قدم پہلی ہی منزل میں

کسی کی یاد میں آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں
تصادم ہو نہ جائے پھر کہیں طوفان و ساحل میں

جبینِ شوق اب محرومِ سجدہ ہوتی جاتی ہے
اُترتا جا رہا ہے اُن کا ہر نقشِ قدم دل میں

یہیں پر تھا نشیمن حق ہے اپنا بھی بہاروں پر
ذرا انصاف سے سوچیں تو اہلِ گلستاں دل میں

مری کشتی نے ٹکر لی ہے خود موج و تلاطم سے
یہاں تو زندگی گزری اسی طوفان و ساحل میں

خلوصِ ذوق میں اتنا تو ہو حسن و عمل آسی
سمٹ آئے ہر اک جانب سے اُن کا آستاں دل میں

کہیں دل یاس سے گھبرا نہ جائے
کہیں مُنہ کو کلیجہ آ نہ جائے

مرے ذوقِ نظر کی خیر یارب
ہجومِ شوق میں گھبرا نہ جائے

تصادم ہے نظر کا پھر نظر سے
جبینِ ناز پر بَل آ نہ جائے

نہ دیکھو یوں مرے دامانِ تر کو
کہیں رسمِ وفا شرما نہ جائے

ہٹا دو رُخ سے اَب زُلفِ پریشاں
ستاروں کو کہیں نیند آ نہ جائے

نگاہِ برق میں یہ چار تنکے
کہیں زد میں نشیمن آ نہ جائے

ہوا ہر اشکِ غم طوفانِ آتش
کہیں ساحل سے یہ ٹکرا نہ جائے

دل کو آمادۂ تسلیم و رضا کرتے ہیں
یہ تو اک فرضِ محبت ہے ادا کرتے ہیں

آپ بھی ہو نہ سکے باعثِ تسکینِ حیات
حاصلِ دردِ محبت کی دعا کرتے ہیں

روز سنتے ہیں خبر آئیں گے وہ غیر کے ساتھ
روز ہی حشر کے سامان ہوا کرتے ہیں

تم اگر چاہو تو ممکن ہے حیاتِ ابدی
یوں تو ہم روز ہی مر مر کے جیا کرتے ہیں

ہم نے مانا ہوئیں آسی سے خطائیں لیکن
اب تو یہ آپ کے ناوک بھی خطا کرتے ہیں

بیخودی کا ہے تقاضا کہ نہیں ہوش مجھے
دل یہ کہتا ہے ملے درد کا آغوش مجھے
اور تھوڑی سی پلا دے نہ رہے ہوش مجھے
زندگی چاہیئے اک خوابِ فراموش مجھے

یاد اتنا ہے کہ دیکھا تھا تمھیں ایک ہی بار
ہوش اتنا ہے کہ آیا نہ کبھی ہوش مجھے
جس سے آباد تھی دُنیائے محبت دل کی
اَب ہوا جاتا ہے وہ غم بھی فراموش مجھے

اَب نہ وہ جوشِ جنوں اور نہ گریباں کے تار
اَب بہاریں بھی نظر آتی ہیں خاموش مجھے
فطرتِ حُسن کی معصوم نگاہیں توبہ
ہو گئی فطرتِ ہستی بھی فراموش مجھے

اس قدر تیز جنوں خیز ہوا ہے آسی
اب تو آدابِ جنوں بھی ہیں فراموش مجھے

نظر سے لاکھ ہیں پی مجھے گرائے ہوئے
وہ آج بھی ہیں میری زندگی پہ چھائے ہوئے

اب انتظار سے پہلے تھا ہم کنارِ بہار
جنوں نے دامنِ صحرا کو گھر بنائے ہوئے

وہیں جھکیں گے جہاں ہونگے نقشِ پا اُنکے
جبینِ شوق کے سجدے ہیں آزمائے ہوئے

گئے وہ جب سے کوئی اُن سے جاکے یہ کہدے
کہ انقلاب ہیں کچھ زندگی میں آئے ہوئے

لکھی ہے خونِ تمنا سے داستانِ حیات
ازل سے تھے وہ مری زندگی پہ چھائے ہوئے

یہی رہا تو مآلِ بہار کیا ہوگا
ابھی خرد ہے جُنوں کو گلے لگائے ہوئے

بہک رہا ہوں ابھی تک خمار باقی ہے
گزر گیا ہے زمانہ نظر ملائے ہوئے

مثالِ برق ہے اب آشیاں کا ہر تنکا
کہ بجلیوں سے نشیمن ہیں ہم بنائے ہوئے

نظر اُٹھے گی تو انجامِ حشر کیا ہوگا
نظر جُھکی ہے تو فتنے ہیں سر جھکائے ہوئے

خیالِ دیر سے آسی نہ ہے حرم پہ نظر
ابھی تو پائے طلب خود ہیں ڈگمگائے ہوئے

دیوانہ بے نیاز ہے ہر رسم و راہ سے
دنیا بدل گئی ہے تیری اک نگاہ سے

آنسو گرے تو خواب کی تعبیر مل گئی
میں آج گر گیا ہوں کسی کی نگاہ سے

وہ اُٹھ گئے ہیں حسن کی تنویر ہے وہی
ٹکرا رہا ہے حسنِ نظر جلوہ گاہ سے

جب دل نہیں رہا تو بنے چارہ سازِ دل
کیا کیا ہوئے نگاہ کو دھوکے نگاہ سے

اب آہ بھی کروں تو اجازت نہیں مجھے
کچھ زندگی کے راز ہیں وابستہ آہ سے

سمجھا تھیں نہ زیست سے ہو کر بھی بے نیاز
سمجھا ہے زندگی کو تمھاری نگاہ سے

جب ہو گئی نگاہ میری بے نیازِ راز
خود اُٹھ گئے حجاب دو عالم نگاہ سے

اب جگمگا اُٹھی ہے تری جلوہ گاہِ ناز
دل کے چراغ ہو گئے روشن نگاہ سے

آئینہ سامنے ہے حقیقت شناس ہو
دیکھو تو ایک بار ہماری نگاہ سے

اب جس کو دیکھئے ہے سرِ بزم بیقرار
تم نے قرار چھین لیا ہر نگاہ سے

....

آئینہ سامنے ہے حقیقت شناس ہو
دیکھو تو ایک بار ہماری نگاہ سے

آتی ابھی ہے آہ کی تاثیر دیکھنا
تھرا رہا ہے گنبدِ افلاک آہ سے

دل کا آئینہ دکھایا تو بُرا مان گئے
اپنا ثانی نظر آیا تو بُرا مان گئے

اشکِ خوں گرتے تھے دامن پہ لیے رازِ حیات
ہم نے دامن جو دکھایا تو بُرا مان گئے

تم نے دل دل سے ملایا تو نئی بات نہ تھی
ہم نے نظروں کو ملایا تو بُرا مان گئے

اُن کی مخمور نظر موردِ الزام نہ تھی
میں ذرا ہوش میں آیا تو بُرا مان گئے

اُن کے ہر اشک کی توہین ہوئی جاتی تھی
میں نے دامن جو بڑھایا تو بُرا مان گئے

مجھ کو دیوانہ بنایا تو کوئی بات نہ تھی
آسماں سر پہ اُٹھایا تو بُرا مان گئے

مجھ کو اشکوں نے ڈبویا تو کوئی بات نہ تھی
پھول شبنم سے بہایا تو بُرا مان گئے

یاد میں انکی گرا اشک جو دامن پہ میرے
میں نے آنکھوں سے لگایا تو بُرا مان گئے

یہ نہ سمجھے تھے کہ ہے غم بھی انھیں کا آسی
غم کو سینے سے لگایا تو بُرا مان گئے

وہ اشکبار دیدۂ تر دیکھتے رہے
موتی پرو رہی تھی نظر دیکھتے رہے

زلفیں کبھی ہٹیں کبھی رُخ پر بکھر گئیں
ہم زندگی کی شام و سحر دیکھتے رہے

دل میں خیال دیکھئے انجام اب ہو کیا؟
دامن بڑھا کے اُن کی نظر دیکھتے رہے

ہر شاخِ آشیاں کی مکمل بہار تھی
ہم بجلیوں کا ذوقِ نظر دیکھتے رہے

آنکھوں سے خار کو کبھی گُل کو لگا لیا
جوشِ جنوں کا حُسنِ نظر دیکھتے رہے

دامن اگر سیا تو گریباں نکل گیا
ہم حاصلِ بہارِ نظر دیکھتے رہے

آنکھوں کے سامنے ہی نشیمن اُجڑ گیا
دیکھا نہ جا رہا تھا۔ مگر دیکھتے رہے

ویران دل کو رشکِ گلستاں بنا دیا
تھا خواب، یا فریبِ نظر دیکھتے رہے

جلوے تھے بے حجاب، نگاہیں تھیں بے شمار
ہم سب کا اختلافِ نظر دیکھتے رہے

کھائی تھی پہلی بار ہی آسی نظر کی چوٹ
یوں دیکھنے کو روز اُدھر دیکھتے رہے

حسن ہے ناز ہے انداز ہے رعنائی ہے
انکے خوش رنگ سا اک پھول بہار آئی ہے

کھل گئے زخم جگر غم کی گھٹا چھائی ہے
آپکے حسن کے صدقے میں بہار آئی ہے

صاف ظاہر ہے کہ بگڑے ہوئے وہ بیٹھے ہیں
انکی تصویر میں روٹھی ہوئی رعنائی ہے

پہلی ہی بار ہوا باعثِ بربادیٔ دل
بار ہا یوں تو نظر حسن سے ٹکرائی ہے

دل کی آواز تھی ساقی کہ ہوا جام شکست؟
ایک جھنکار سی کانوں میں مرے آئی ہے

جو تصور میں رہا زینتِ آغوش اس نے
اب تصور رہیں نہ آنے کی قسم کھائی ہے

کچھ تو آتی یہ ہے مخمور نگاہی کا اثر
اور کچھ جنبشِ داماں سے بھی نیند آئی ہے

مُتفرّقات

خمسہ

کدھر انکو ڈھونڈیں کہاں انکو پائیں — کہاں تک جدائی کے صدمے اٹھائیں
اگر اپنا جذبِ محبت دکھائیں — تصور میں شاید وہ آئیں نہ آئیں
یہ جی چاہتا ہے اُنھیں آزمائیں

کہانی محبت کی کس کو سنائیں — محبت کی دُنیا کو کیونکر دکھائیں
محبت کی ہیں حشر ساماں فضائیں — محبت کی چلتی ہیں اُلٹی ہوائیں
نہ ہیں ابتدائیں نہ ہیں انتہائیں

مٹانا اگر چاہتے ہیں مٹائیں — کبھی تو اُنھیں اپنی حالت پہ پائیں
مکمل ہیں دنیا تمھاری ادائیں — کبھی ہیں وفائیں کبھی ہیں جفائیں
کسے یاد رکھیں کسے بھول جائیں

یہ ممکن نہیں غم کے آنسو بہائیں — شکایت شبِ ہجر کی لب پہ لائیں
سلامت رہیں ان کی کافر ادائیں — مٹائیں وہ جتنا بھی چاہیں مٹائیں
یہ ممکن نہیں ہم اُنھیں بھول جائیں

وہ اُمنڈی ہوئی اودی اودی گھٹائیں — وہ بھیگی ہوئی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں
وہ پُرکیف منظر وہ دلکش فضائیں — وہ گونجی ہوئی رُوح پرور صدائیں
اُنھیں کس طرح ایسے عالم میں پائیں

کبھی تو سنیں وہ مری التجائیں — نہ آئیں تو خود وہ مجھی کو بلائیں
کہوں حالِ دل اور وہ مسکرائیں — مرے خرمنِ دل پہ بجلی گرائیں
تمنا ہے آسی کو اپنا بنائیں

سہرا

بتقریب شادی قاضی آباد محمد پسر جناب قاضی مردان علی صاحب رئیس بجنور تحصیلدار محمدی

✻

خبر جو لائی نسیم بہار سہرے کی
چمن میں دھوم ہوئی باوقار سہرے کی
نگاہِ نرگسِ شہلا انتظار سہرے کی
کلی کلی نگہِ انتظار سہرے کی
بلائیں لینے کو بے اختیار سہرے کی

یہ بزمِ شوق یہ ابرِ بہار کیا کہنا
شکستِ توبہ پہ پرہیزگار کیا کہنا
چھلک رہی ہے مے خوشگوار کیا کہنا
پلا پلا کی ہے ہر سو پکار کیا کہنا
خوشی مناتے ہیں اب بادہ خوار سہرے کی

وہ اودی اودی گھٹا پر بہار کیا کہنا
وہ لہلہاتا ہوا سبزہ زار کیا کہنا
گلوں پہ چھائی ہوئی اک بہار کیا کہنا
شگفتہ ہر دلِ امیدوار کیا کہنا
فضائے دہر پہ چھائی بہار سہرے کی

رہیں عزیز و اقارب یونہیں ہمیشہ شاد
جو ہوویں دشمن آباد ہوں وہ سب برباد
دعا ہے دولھا و دلھن تا ابد رہیں آباد
ہمیشہ دیکھ کے دونوں رہیں غرض دل شاد
خدا دکھائے انھیں کبھی بہار سہرے کی

ندائے غیب یہ آئی سنا جو میں نے بغور
کہ انتظار تھا جس کا وہی اب آیا دور
خبر یہ پاتے ہی آسی بھی چل دیا مجبور
تھے چند گوہر مضمون پاس تھا کیا اور
یہ نذر لے کے غریب الدیار سہرے کی

تصوراتِ رنگیں

٭

وہ تنہائی کی رات ارے توبہ توبہ
پریشاں خیالات ارے توبہ توبہ

جنوں کی کرامات ارے توبہ توبہ
جنوں خیز ہر بات ارے توبہ توبہ

وہ پاکیزہ جذبات ارے توبہ توبہ
وہ شوقِ ملاقات ارے توبہ توبہ

وہ سوئی ہوئی سی فضائے دو عالم
وہ بیدار جذبات ارے توبہ توبہ

دعاؤں کے جذبات ارے توبہ توبہ
اچانک ملاقات ارے توبہ توبہ

وہ الٹی شکایات ارے توبہ توبہ
وہ جھنجھلائی ہر بات ارے توبہ توبہ

دھڑکتے ہوئے دل سے آنا کسی کا
وہ گھبرائی ہر بات ارے توبہ توبہ

بظاہر خفا ہو کے دامن چھڑانا
لرزتے ہوئے ہات ارے توبہ توبہ

نہ کہنے پہ بھی کہہ گئی حالِ دل سب
نظر کی کرامات ارے توبہ توبہ

ابھی آئے کچھ دیر بھی تھی نہ گزری
کہ رخصت ہوئی رات ارے توبہ توبہ

وہ مایوس نظروں میں غم کا جھلکنا
وہ خاموش جذبات ارے توبہ توبہ

ہوا ساتھ ان کے سکوں مجھ سے رخصت
میں ملتا رہا ہات ارے توبہ توبہ

بدل ہی گئیں عیش کی غم سے گھڑیاں
تصور کے لمحات ارے توبہ توبہ

سہرا

تبقریب شادی خانہ آبادی نورِ چشم محمد عبدالعزیز خاں عرف لاڈلے صاحب بھانجہ خورد

قصبہ محمدی ضلع کھیری

بندھا ہے سر پہ جو عبدالعزیز خاں سہرا
جو تم عزیز تو یہ ہے عزیز جاں سہرا
دل و دماغ پہ چھایا ہے ضو فشاں سہرا
لئے ہوئے ہے معطر مشامِ جاں سہرا
کلی کلی میں صباحت گلوں میں حسن و شباب
لئے ہوئے ہے سب انداز مہ رخاں سہرا
فضائے دہر پہ چھائے ہیں نغمہ ہائے طرب
کھلا رہا ہے نگاہوں میں بوستاں سہرا
قدم قدم پہ لچکتا ہے شاخِ گل کی طرح
دکھا رہا ہے تماشائے کہکشاں سہرا
لکھا تھا کاتبِ تقدیر نے جو قسمت میں
ہے اتحاد و محبت کا پاسباں سہرا

کسے کسے ہے محبت کسے کسے ہے خلوص
یہ لے رہا ہے محبت کا امتحاں سہرا

خدا دکھائے تمھیں بھی بہار سہرے کی
ہوا ہے باعثِ افزائشِ جہاں سہرا

خدا نے دن یہ دکھایا ہے بعد مدّت کے
بُلا رہا ہے محبت سے گل فشاں سہرا

مسرّتوں کے خزانے لُٹائے جاتا ہے
بھُلائے جاتا ہے آسی غمِ نہاں سہرا

مخمّسہ

شبِ ہجر کی مضطرب وہ دعائیں
ملادی گنبدِ خاک میں التجائیں
مقدر کہاں جا کے ہم آزمائیں
کلیجہ پکڑ کر نہ کیوں بیٹھ جائیں
پلٹ آئیں بابِ اجابت نہ پائیں

قطعات

★

عالمِ رنگ و بُو یہ مستی ہے
کش مکش میں نظامِ ہستی ہے
او تغافل شعار ہوش میں آ
زندگی موت کو ترستی ہے

★

ہر طرف شغلِ مے پرستی ہے
اِن نگاہوں میں کیسی مستی ہے
آج دُنیائے رنگ و بُو کی قسم
اک نئی زندگی برستی ہے

★

مُبارک ہو نئی دُنیا میں آنا
مُبارک ہو ہمارا بھُول جانا
ہمیں اب زندگی سے واسطہ کیا
ہمیں تو چاہیئے بس اک بہانا

★

بھُلا پائے تجھکو کس طرح کیسے یہ ممکن ہے
ترا ہی ذکر ہر بزمِ ادب میں رات اور دن ہے
ترے دم سے ابھی باقی ہے دُنیائے ادب اقمر
تری ہستی ابھی آئینہ دارِ درد و موہن ہے

ختم شد

مطبوعہ نیا ہند انڈیا پریس لکھنؤ